نقوش صحابیات رضی اللہ عنہن

أنتِ أيضًا صحابيةٌ

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو



مؤلف

أدهم شرقاوي

(قِسّ بن ساعِدة)

مترجم

مُفتی صابر محمود صاحب

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

مدرس ورفیق دارالافتاء جامعہ انوارالعلوم شادباغ ملیر ہالٹ کراچی



دارُ الکُتُبِ العِلمیّة

سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست عناوین

عرضِ مترجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ایسے روشن ستاروں کی کہکشاں نظر آتی ہے جنہوں نے اپنے لہو، اپنی وفا اور اپنے کردار سے حق کی شمع کو روشن رکھا۔ ان ستاروں میں جہاں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام نمایاں ہیں، وہیں ان عظیم خواتین یعنی "صحابیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے تذکرے بھی خوشبو کی طرح مہکتے ہیں جنہوں نے صبر و استقلال اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ رہتی دنیا تک کے لیے مشعلِ راہ بن گئیں۔

ادہم شرقاوی عصرِ حاضر کے ان ممتاز مصنفین میں سے ہیں جن کا قلم دلوں کے تار چھیڑنے کا فن جانتا ہے۔ ان کی زیرِ نظر کتاب "أنتِ أيضًا صحابية" (تم بھی ایک صحابیہ ہو) محض چند تاریخی واقعات کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ ایک پکار ہے، عصرِ حاضر کی ہر اس بیٹی، بہن، بیوی اور ماں کے نام، جو اپنی زندگی کو اسوہِ صحابیات رضی اللہ عنہن کے سانچے میں ڈھالنے کی تڑپ رکھتی ہے۔ مصنف نے نہایت خوبصورتی سے یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ "صحابیہ" ہونا صرف ایک تاریخی دور تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک طرزِ فکر اور ایک اعلیٰ کردار کا نام ہے جو ہر دور میں اپنایا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ ہماری اردو داں خواتین بھی اس قیمتی سرمائے سے فیض یاب ہو سکیں۔ ترجمہ کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اصل عبارت کی روح اور مصنف کا مخصوص "ادبی سوز" برقرار رہے۔ یہ کتاب ہمیں سکھاتی ہے کہ ایک عورت اپنے گھر کی چہار دیواری میں رہتے ہوئے بھی کیسے اپنی وفا، اپنے اخلاق اور اپنے جذبہِ ایمانی سے وہ مقام حاصل کر سکتی ہے جو اسے روحِ صحابیت سے قریب کر دے۔

امید ہے کہ یہ ترجمہ قارئین کے لیے محض معلومات کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک روحانی سفر ثابت ہوگا، جو انہیں اپنے رشتوں میں حسنِ سلوک، اپنے معاملات میں دیانت اور اپنے رب کے ساتھ پختہ تعلق استوار کرنے کی ترغیب دے گا۔

اللہ تعالیٰ اس ادنیٰ سی کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہمیں ان پاکیزہ نفوس کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جن کا ذکر اس کتاب کی زینت ہے۔

خاکسار

مفتی صابر محمود

فاصل جامعہ فاروقیہ کراچی

03158800032

مصنف کا مختصر تعارف

ادہم شرقاوی (Adham Sharqawi) جدید عربی ادب کے ایک ممتاز فلسطینی مصنف اور صاحبِ قلم شخصیت ہیں، جو اپنی دلکش، سادہ اور پُر اثر تحریری اسلوب کی وجہ سے مشہور ہیں۔

نمایاں خصوصیات اور تعارف:

پیدائش اور تعلیم: وہ لبنان کے شہر صور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے جامعہ لبنانیہ (Lebanese University) سے عربی ادب میں ایم فل (M.Phil) کی ڈگری حاصل کی۔

اسلوبِ تحریر: ادہم شرقاوی کے لکھنے کا انداز بہت منفرد ہے۔ وہ قرآنی آیات، احادیث نبوی اور صحابہ کرام کی زندگی کے واقعات کو چھوٹے چھوٹے، معنی خیز اور دلنشین جملوں میں بیان کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں قاری کے دل پر اثر کرتی ہیں۔

موضوعات: ان کی کتابیں زیادہ تر اسلامی تعلیمات، سیرتِ نبوی، حیاتِ صحابہ، اور اخلاقی وتربیتی موضوعات پر مبنی ہوتی ہیں۔

مشہور تصانیف:

ان کی کئی کتابوں کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے، جن میں شامل ہیں:

رسائل من القرآن (قرآنی تعلیمات)

رسائل من النبی ﷺ (نبوی تعلیمات)

رسائل من الصحابة رضی اللہ عنہم (حیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسباق)

إلى المنكسرة قلوبهم (To the Brokenhearted شکستہ دلوں

کے نام)

ادہم شرقاوی کو معاصر عربی ادب میں ایک ایسی علمی شخصیت کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو دین کی بنیادی تعلیمات کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق عام فہم انداز میں پیش کرتے ہیں۔

انتساب

❁ اُس کے نام جس کی شادی تو ہوئی مگر اولاد نہ ہوئی، تو اس نے (ام المومنین) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی سے تسلی پائی۔

❁ اُس کے نام جسے طلاق دے دی گئی، تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے صبر سے ڈھارس بندھائی۔

❁ اُس کے نام جس کی شادی میں تاخیر ہوئی یہاں تک کہ اسے لگا کہ وقت کا قافلہ گزر چکا ہے، تو اس نے (ام المومنین) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی سے سکون پایا جنہوں نے چالیس برس کی عمر میں سید الرجال (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نکاح کیا تھا۔

❁ اُس کے نام جس کے اور اس کے محبوب کے درمیان (حالات کی) دیوار حائل ہوگئی، تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تسلی لی جن کے اور (ان کے شوہر) ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان جدائی ڈال دی گئی تھی۔

❁ اُس کے نام جس نے کبھی شادی نہیں کی، تو اس نے جلیل القدر صحابیہ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کی زندگی میں اسوہ پایا۔

❁ اُس کے نام جس نے شوہر کی وفات کے بعد دوسرا نکاح نہیں کیا، تو اس نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا سے ہمت پائی جو کہتی تھیں: "میں نہیں چاہتی کہ میرے دل میں موجود عثمان کی محبت کبھی پرانی (دھندلی) ہو!"

❁ اُس کے نام جس نے شوہر کی وفات کے بعد دوسرا نکاح کرلیا، کیونکہ یہ حلال ہے اور حلال میں کوئی عیب نہیں!

❁ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی قیمتی بیٹیوں کے نام

میں یہ کتاب تم سب کے نام منسوب کرتا ہوں!

(ادھم شرقاوی)

یہ تم ہو!

تم ہمیشہ اپنی نظر سے خود کو دیکھنے کی عادی رہی ہو،

آؤ آج میں تمہیں میری نظر سے خود کو دکھاتا ہوں!

روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے جنت میں بسایا،
تو وہ وہاں تنہائی محسوس کرنے لگے۔
تب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آدم کی پسلی سے ایک ٹکڑا لیا-ایک ایسا ٹکڑا جو دل کے بہت قریب تھا۔
اور اس سے حوا کو پیدا کیا تا کہ وہ ان کی رفیقِ جاں بن کر ان کی تنہائی دور کرسکیں۔

یہ تم ہو!

وہ عورت جس کے بغیر جنت بھی جنت نہیں رہتی۔

- تم وہ ماں ہو جس کے قدموں تلے اللہ تعالیٰ نے جنت رکھ دی۔
- تم وہ بیوی ہو جس کی تکریم کے بغیر کوئی مرد "کامل مرد" نہیں بن سکتا۔
- تم وہ بیٹی ہو جو اپنے باپ کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب (رکاوٹ) بن جاتی ہے۔
- تم وہ بہن ہو جس کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی عبادت ہے۔
- تم وہ پھوپھی ہو جسے سر کا تاج بنا کر رکھا جاتا ہے۔
- تم وہ خالہ ہو جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خالہ کا رتبہ ماں کے برابر ہے"۔
- تم وہ پڑوسن ہو جس کی حفاظت عزت وآبرو کی طرح کی جاتی ہے۔

تم وہ مسلمان خاتون ہو جس کی عزت کی خاطر لشکروں کو حرکت دی گئی۔

ایک بار ایک مسلمان عورت کی توہین ہوئی تو اس نے پکارا: " **وا معتصماہ!** "

(اے معتصم، میری مدد کو پہنچو!)۔

جب یہ پکار خلیفہ معتصم باللہ تک پہنچی، تو اس نے اس ایک پکار کی لاج رکھنے کے لیے پورا لشکر روانہ کر دیا۔

وہ (مرد) اپنی ابتداء تمہارے پاس سے کرتا ہے اور اپنی انتہا بھی تمہی پر پاتا ہے۔

تم وہ مہربان آغوش ہو جس کی پناہ میں ہم زندگی کی تلخیوں اور تھکاوٹ سے بھاگ کر آتے ہیں۔

تم وہ کاندھا ہو جس کی نزاکت کے باوجود ہم اس پر ٹیک لگائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

تم وہ سہارا ہو جس کی نرمی کے باوجود ہم اس پر بھروسہ کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

تم مردوں کو بنانے والی فیکٹری اور بہادروں کا گہوارہ ہو۔

تم کوئی ٹیڑھی پسلی نہیں ہو جس میں کوئی کمی ہو،

اور نہ ہی کوئی ایسی کمزور مخلوق ہو جو محض ترس کھانے کے قابل ہو۔

تم نصف معاشرہ ہو!

اور تمہی وہ ہو جو بقیہ نصف معاشرے کو جنم دیتی اور اس کی پرورش کرتی ہو۔

دنیا میں آنے والا ہر مرد، کبھی تمہارے بطن میں ایک جنین (بچہ) تھا

جو تمہاری صحت اور تمہاری توانائی سے غذا پاتا تھا۔

ہر بادشاہ، ہر لیڈر، ہر مفکر، ہر دولت مند یا ہر کامیاب انسان؛

کبھی تمہارے ہاتھوں میں گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔

ہر نبی کی پرورش تمہی نے کی، اور ہر عظیم انسان کو تمہی نے تراشا۔

پس اپنا سر فخر سے بلند رکھو!

اپنے گواہ درست کرلو!

تم ایک "صحابیہ" بھی ہو!

ذرا میرے ساتھ مل کر اس منظر کا تصور کرو،

اور اسے اپنے دل و روح سے محسوس کرو۔

تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھی ہو،

اپنی آنکھوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے مبارک کے دیدار سے منور کر رہی ہو۔

تم نے اپنے دل کے دریچے وا کر رکھے ہیں تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو سن سکو،

کیونکہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کانوں سے نہیں بلکہ دل سے سنی جاتی ہے!

اتنے میں وہاں سے ایک جنازہ گزرتا ہے،

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس (مرنے والے) کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔

شاید تم انہیں یہ کہتے ہوئے سن رہی ہو:

"یہ مرنے والا ایک وفادار دوست، ایک محبت کرنے والا شوہر،

ایک فرمانبردار بیٹا اور ایک بہترین پڑوسی تھا۔

وہ مسکینوں کو صدقہ دیتا تھا اور قرض داروں کے قرض ادا کرتا تھا۔

وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتا تھا اور (پریشان حال لوگوں کے) کاندھوں پر تسلی کا ہاتھ رکھتا تھا۔

اس نے کتنی ہی بار کسی غمزدہ کے آنسو پونچھے اور کسی ٹھوکر کھائے ہوئے کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

وہ قرآن کا ساتھی تھا اور مسجدوں کی طرف کثرت سے چل کر جانے والا تھا"۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (یہ سب سن کر) فرمایا: "واجب ہوگئی!"۔

کچھ وقت گزرا تو وہاں سے ایک دوسرا جنازہ گزرا،

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس (مرنے والے) کی برائی بیان کی۔ شاید تم انہیں یہ کہتے ہوئے سن رہی ہو...

(صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے) یہ مرنے والا ایک بے وفا دوست،

ایک سنگدل شوہر، ایک نافرمان بیٹا اور ایک ایسا پڑوسی تھا

جس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس نے کبھی کسی مسکین کو صدقہ نہ دیا،

وہ اپنے افعال سے دوسروں کے دل توڑتا

اور اپنی باتوں سے لوگوں کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچاتا تھا۔

وہ قرآن کو چھوڑ چکا تھا اور اس کے قدم کبھی مسجد کے راستے سے واقف نہ ہوئے!

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (پھر) فرمایا: "واجب ہوگئی!"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا چیز واجب ہوگئی؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس کی تم نے تعریف کی،

اس کے لیے جنت واجب ہوگئی،

اور جس کی تم نے برائی بیان کی،

اس کے لیے دوزخ واجب ہوگئی۔ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو!"

اب جبکہ تم نے یہ سب سن لیا ہے،

اور تمہیں معلوم ہے کہ

ایک دن تم بھی کاندھوں پر اٹھا کر قبر کی طرف لے جائی جاؤ گی،

اور وہ لوگ جن کے ساتھ تم آج معاملہ کر رہی ہو، وہی زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔

تو اپنے گواہ درست کرلو!

ایک ایسی فرمانبردار بیٹی بنو کہ جب تمہارے والدین وفات پائیں تو کہیں:

"اے اللہ! ہماری بیٹی پر رحم فرما جس نے ہمارے دل جوڑے اور ہمارے ساتھ بہترین سلوک کیا۔

وہ اپنی آواز دھیمی رکھتی تھی، گفتگو میں احتیاط کرتی تھی اور ہماری رضا حاصل کرنے میں اپنی تمام بہنوں سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتی تھی"۔

ایک ایسی محبت کرنے والی بیوی بنو...

کہ جب تم رخصت ہو تو تمہارا شوہر کہے:

"اے اللہ! اس بیوی پر رحم فرما جس نے مجھ سے میری اپنی جان جیسی محبت کی،

میری عزت کی حفاظت کی اور میرے گھر کو (اپنی موجودگی سے) روشن رکھا۔

اس نے میری اولاد پر شفقت کی اور میرے اہل خانہ کا احترام کیا۔

اے اللہ! وہ تنگی میں صبر کرنے والی اور آسانی میں شکرگزار تھی۔

پس اس کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے!"

تم ایک ایسی شفیق ماں بنو

کہ جب تم اس دنیا سے جاؤ تو تمہاری اولاد کہے:

اے اللہ! ہماری ماں پر رحم فرما جو نہایت مہربان اور سراپا شفقت تھی۔

اس نے اپنی زندگی ہماری خاطر فنا کر دی اور ہمیں ہمیشہ خود پر ترجیح دی۔

اس نے ہمیں نماز کا حکم دیا،

روزوں کے لیے ہماری حوصلہ افزائی کی اور ہمیں قرآن حفظ کرایا۔

اے اللہ! اس نے ہم میں کبھی کوئی تفریق نہیں کی،

اور نہ ہی کبھی ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کوئی میل آنے دیا۔

وہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بہن بھائی بنا کر چھوڑ گئی۔

اے اللہ! اس کی منزل کو مکرم بنا اور اس کی قبر کو نور سے بھر دے!

تم ایک ایسی اچھی بہن بنو کہ

جب تم وفات پاؤ تو تمہارے بھائی کہیں:

اے اللہ! وہ ہماری جان کا حصہ اور ہمارے دل کا ٹکڑا تھی۔

جب ہم نے قطع تعلقی کی تو اس نے صلہ رحمی کی،

اور جب ہم نے ہاتھ کھینچا تو اس نے ہمیں عطا کیا۔

ہم نے اس (بہن) سے ہمیشہ خیر ہی سنی اور اس میں بھلائی ہی دیکھی۔

اے اللہ! اس کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے!

تم ایک ایسی شفیق بہو بنو کہ

جب تم اس دنیا سے رخصت ہو تو تمہاری ساس کہے:

اے اللہ! وہ میرے لیے میری اپنی بیٹیوں سے بڑھ کر تھی۔

اس نے میرے دل کی لاج رکھی، میرے جذبات کا پاس کیا

اور میرے بیٹے کی مجھ سے حسنِ سلوک (نیکی) میں مدد کی۔

اے اللہ! اس پر ایسے ہی رحیم ہو جا جیسے وہ میرے لیے رحیم تھی!

تم ایک ایسی اچھی ساس بنو کہ

جب تمہارا انتقال ہو تو تمہاری بہو کہے:

"اے اللہ! وہ میرے لیے میری ماں کے ساتھ ایک اور ماں تھی۔

جب میں کمزور پڑی تو وہ میرا سہارا بنی،

جب میں غمگین ہوئی تو اس نے مجھے دلاسا دیا،

اور اس نے اپنے بیٹے کو ہمیشہ میرے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا۔

اس نے کبھی دوسرے بچوں کو مجھ پر ترجیح نہیں دی۔

اے اللہ! آج اس کے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیرے کرم کے شایانِ شان ہے!"

تم ایک ایسی محبت کرنے والی پڑوسن بنو کہ

جب تم وفات پاؤ تو تمہاری پڑوسن کہے:

"اے اللہ! وہ میرے لیے ایک بہن جیسی تھی،

مصیبت کی گھڑی میں وہ میرا مضبوط کاندھا (سہارا) تھی،

(وہ پڑوسن کہے:) اور حادثات ومصائب میں وہ میرا سہارا (عصا) تھی۔

اس نے کبھی ہمارا کوئی راز فاش نہیں کیا،

اور نہ ہی کبھی ہماری عزت وآبرو کو ٹھیس پہنچائی۔

وہ ہمارے مریضوں کی عیادت کرتی۔

اور ہمارے جنازوں میں تعزیت کے لیے آتی تھی۔

وہ ہمیں کھانا تحفے میں بھیجتی اور ہمیں سلام کرنے میں پہل کرتی تھی۔

اے اللہ! تو اس کے لیے بہترین ہمسایہ اور بہترین پناہ گاہ بن جا!"

تم ایک ایسی قابل اعتماد سہیلی بنو کہ

جب تم اس دنیا سے رخصت ہو تو تمہاری سہیلی کہے:

"اے اللہ! یہ (سہیلی) مجھ پر تیری نعمتوں میں سے ایک نعمت تھی۔

وہ مجھے تیری یاد دلاتی اور تیری اطاعت کی ترغیب دیتی تھی۔

اس نے مجھے قرآن کا وہ نسخہ ہدیہ کیا تھا جو آج بھی میرا رفیق ہے،

اور وہ تسبیح دی تھی جو ہمیشہ میرے ہاتھ میں رہتی ہے۔

اس نے کبھی میرا کوئی راز ظاہر نہیں کیا۔

جب میں کبھی راہِ راست سے بھٹکنے لگی تو اس نے بڑی نرمی سے مجھے سنبھالا۔

جب میں غمگین ہوئی تو اس نے مجھے دلاسا دیا،

اور جب میں خوش ہوئی تو وہ میری خوشی میں شریک رہی۔

اے اللہ! اس نے میرے لیے اپنے دل

اور اپنے گھر کے دروازے کھولے رکھے تھے؛

پس تو جنت میں اس کے لیے ایک عالیشان گھر بنا دے!"

احسان کو مت بھولنا!

تم ایک "صحابیہ" بھی ہو!

تم نے مکہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور اپنے دل، اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کی پیروی میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

تمہارے وجود کا ذرہ ذرہ مکہ کا مشتاق ہے۔

اور خانہ کعبہ کی تڑپ تمہیں بے چین رکھتی ہے۔

تم بڑی بے صبری سے اس لمحے کا انتظار کر رہی ہو۔

جب تمہاری آنکھیں دوبارہ اس (مقدس شہر) کے دیدار سے منور ہوں گی۔

پھر تمہیں نبی کریم ﷺ خبر دیتے ہیں کہ

آپ ﷺ نے مکہ فتح کرنے کا عزم فرمالیا ہے،

تو یہ خوشخبری سن کر تمہارا دل خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔

لیکن نبی کریم ﷺ تم سب سے یہ مطالبہ فرماتے ہیں کہ اس معاملے کو صیغہ راز میں رکھا جائے،

کیونکہ جنگ آخر کار ایک چال (تدبیر) کا نام ہے،

اور جس کے پاس "اچانک حملے" کا عنصر ہو وہ شاذ و نادر ہی شکست کھاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کم سے کم جانی نقصان کے ساتھ فتح چاہتے تھے۔

تم اس رات ان خوابوں کے ساتھ سوئیں کہ عنقریب تم مکہ کی مٹی کو چوموگی،

اپنی آنکھوں سے بتوں کو قدموں تلے پامال ہوتے دیکھوگی

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر

اپنی پوری قوت سے "اللہ اکبر" کی صدا بلند کرتے ہوئے دیکھوگی۔

لیکن اچانک ایک ایسا واقعہ رونما ہوا

جس نے اس تمام خواب کو بکھیرنے کی دھمکی دے دی؛

نبی کریم ﷺ نے اپنے بہترین صحابہ میں سے تین کو طلب کیا...

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو ایک ہنگامی اور خطرناک مشن پر طلب کیا،

اور انہیں حکم دیا کہ وہ "روضہ خاخ" کی طرف روانہ ہو جائیں۔

وہاں انہیں ایک عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط (پیغام) ہے؛

انہیں چاہیے کہ وہ خط فوراً وہاں سے لے آئیں۔

وہ تینوں شہسوار نہایت تیزی سے روانہ ہوئے،

اور وہیں اس عورت کو پا لیا جس کے بارے میں ان کے نبی ﷺ نے خبر دی تھی۔

آپ ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے تھے،

بلکہ اللہ کی معیت اور وحی کی تائید ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ ہوتی تھی۔

انہوں نے اس عورت سے وہ خط مانگا جو اس کے پاس تھا،

لیکن اس نے اس کی موجودگی سے صاف انکار کر دیا!

تب انہوں نے (سخت لہجے میں) اس سے کہا:

"یا تو تم خود خط نکال کر دے دو، ورنہ ہم تمہاری تلاشی لینے پر مجبور ہوں گے (جس کے لیے ہمیں تمہارے کپڑے ہٹانے پڑیں گے)!"

جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ تلاشی لینے کا پختہ ارادہ کر چکے ہیں،

تو اس نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیوں (چوٹیوں) کے درمیان چھپا ہوا

وہ خط نکال کر ان کے حوالے کر دیا۔

وہ خط لے کر مدینہ واپس آئے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

جب مدینہ میں نبی کریم ﷺ نے وہ خط کھولا، تو معلوم ہوا کہ

وہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے قریش کے نام تھا،

جس میں انہیں خبر دی گئی تھی کہ

نبی کریم ﷺ نے مکہ پر حملے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔

فوجی علوم کی اصطلاح میں اسے ایک

بہت بڑا "سیکیورٹی بریچ" (سیکیورٹی میں نقب لگانا) مانا جاتا ہے،

اور اگر آپ چاہیں تو اسے "سنگین ترین غداری" بھی کہہ سکتے ہیں!

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے

اپنی اس حرکت کی یہ معذرت پیش کی

کہ مکہ میں ان کے اہل خانہ بہت کمزور حال میں ہیں

اور قریش کی طرف سے انہیں اذیت پہنچنے کا خطرہ ہے،

اس لیے وہ چاہتے تھے کہ (اس احسان کے بدلے) قریش ان کے گھر والوں پر تھوڑی نرمی برتیں۔

اور یہ کہ ان کے دل میں ایمان مضبوط پہاڑوں کی طرح (قائم) ہے

جو ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا!

نبی کریم ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کا عذر قبول فرما لیا۔

لیکن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، جو اللہ کے دین کے معاملے میں نہایت سخت اور دوٹوک موقف رکھنے والے تھے،

جب اسلام کا معاملہ درپیش ہوتا تو وہ نہایت جلال میں آجاتے،

انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑادوں!"

تب نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

"نہیں اے عمر! وہ (حاطب) غزوۂ بدر میں شریک رہا ہے،

اور تمہیں کیا معلوم، شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کے حال پر اطلاع پا کر فرما دیا ہو:

تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے!"

سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول، کیا ہی اعلیٰ ظرفی اور کیا ہی پاسِ وفا ہے!

اس ایک غلطی نے نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھی کی سابقہ خدمات اور وفاداری بھلانے پر مجبور نہ کیا۔

پس تم بھی اپنے ساتھ کیے گئے کسی بھی احسان کو کبھی مت بھولنا!

جب تمہارے اور تمہارے شوہر کے درمیان کبھی کوئی اختلاف پیدا ہو جائے،

تو ان شیریں لمحات کو مت بھولنا جو تم نے اکٹھے گزارے تھے۔

ان مواقع کو یاد کرنا جب اس نے تمہارا دل رکھا تھا،

ان تحائف کو یاد کرنا جنہوں نے تمہارے دل کو خوشیوں سے بھر دیا تھا۔

اس کی اس شفقت کو یاد کرنا جو اس نے تمہاری بیماری کے دنوں میں دکھائی،

اور وہ سیر و تفریح یاد کرنا جس میں شاید اس کی اپنی کوئی دلچسپی نہ تھی،

لیکن وہ صرف تمہیں خوش کرنے کے لیے وہاں گیا تھا۔

یاد رکھنا کہ اگر وہ کبھی ایک آدھ بار (کسی ضرورت میں) بخیل ثابت ہوا ہے،

تو وہ کئی بار تم پر کرم نوازی بھی کر چکا ہے!

اور اگر (کبھی مصروفیت کی وجہ سے) وہ تمہیں تمہارے گھر والوں کے پاس

لے جانے کا وقت نہ نکال سکا ہو،

تو وہ درجنوں مرتبہ ایسا کر بھی چکا ہے!

یاد رکھو کہ اگر وہ (تمہارا شوہر) آج تم سے ناراض ہے،

تو وہ کئی بار تمہاری غلطیوں سے درگزر بھی کر چکا ہے!

وہ نوالہ یاد کرو جو اس نے کبھی محبت سے تمہارے منہ میں ڈالا تھا،

اور وہ لفظ یاد کرو جو اس نے تمہارے شوق میں کہے تھے۔

ایک غیور اور شریف انسان وہی ہے جو ایک لمحے کی محبت کا بھی پاس رکھے!

تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی کا احسان نہیں بھولتے تھے،

پس تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرو اور احسان کو مت بھولو!

"تمہارا وہ بھائی جس سے تم آج ناراض ہو،

کیا تم پہلے کبھی ایک ساتھ ہنستے اور ایک ساتھ روتے نہیں تھے؟

تو پھر یہ شیریں لمحات تم پر اتنے ارزاں (بے وقعت) کیسے ہو گئے؟

تمہاری وہ بہن جس کے ساتھ تمہاری کوئی رنجش ہو گئی ہے،

کیا وہ کبھی تمہارے دل کا ٹکڑا نہیں تھی؟

تمہیں کیا ہوا کہ تم ایک عارضی جھگڑے کی خاطر برسوں کی محبت کی دیوار گرا رہی ہو؟

تمہارا وہ بیٹا جس نے اس بار تمہارے حق میں کوئی کوتاہی کی ہے،

کیا اس نے بارہا تمہارے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی نہیں کی؟

کیا یہ شرافت نہیں کہ تم اس کی (سابقہ نیکیوں کو) اس ایک غلطی پر قربان کر دو؟

تمہاری وہ ساس جس نے آج تمہیں غصہ دلایا ہے،

کیا وہ کبھی تمہارے لیے ماں جیسی نہیں تھی؟

کیا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ تمہاری حمایت میں کھڑی ہوئی ہو؟

تو پھر تمہارے لیے برسوں کا ساتھ اور تعلق اتنا بے معنی کیوں ہو گیا؟

تمہاری وہ پڑوسن جس کا رویہ اس بار تمہیں پسند نہیں آیا،

کیا اس کا طرزِ عمل پہلے کئی بار تمہارے دل کو نہیں بھایا؟

کیا کبھی اس نے تمہیں اپنے کھانے میں سے تحفہ نہیں بھیجا؟

کیا کبھی بیماری میں وہ تمہاری عیادت کو نہیں آئی؟

پھر تم کیوں یہ چاہتی ہو کہ لوگ ہمیشہ فرشتوں جیسا ہی برتاؤ کریں؟

تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت وفادار تھے،

اور تم تب تک (صحیح معنوں میں) "صحابیہ" نہیں بن سکتیں

جب تک ان جیسی نہ بن جاؤ!

ایک بار مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ وہ (مسیلمہ) نبی ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "جی ہاں!"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

اگر یہ اصول نہ ہوتا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا،

تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا!"

غور کرو،

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور کسی دوسرے کی نبوت کا اقرار کیا،

مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفاداری (اصول پسندی) پر غالب نہ آیا۔

جب ایک کافر قاصد کو اس کے کفر پر قتل نہیں کیا جاتا

بلکہ اسے امان اور عزت دی جاتی ہے؛

تو کیا ایک مسلمان شوہر اس وفاداری کا زیادہ حقدار نہیں؟

کیا بہن، ساس، پڑوسن اور سہیلی اس پاسِ وفا کی زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

قریش نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔

جب وہ مدینہ پہنچے تو اسلام ان کے دل میں گھر کر گیا۔

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ وہ (واپس نہیں جانا چاہتے بلکہ) مدینہ ہی میں رہنا چاہتے ہیں۔

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "میں وعدہ خلافی نہیں کرتا!

اور نہ ہی میں قاصدوں کو روک کر رکھتا ہوں،

بلکہ تم ابھی اپنے قوم کی طرف واپس لوٹ جاؤ؛

پھر اگر تمہارے دل میں وہی تڑپ (اسلام کی طلب) باقی رہی جو اس وقت ہے،

تو تم دوبارہ واپس آ جانا!"

"اور اے خاتون! تم بھی اگر (سچی) صحابیہ بننا چاہتی ہو

تو خبردار! کبھی عہد شکنی نہ کرنا"۔

تم ایک مرد (شوہر) کی عزت ہو، پس اس کی حفاظت کرو۔

تم اپنے بچوں کی امان ہو، پس انہیں اپنے ساتھ لازم رکھو۔

تم اپنے باپ کی ساکھ ہو، پس اس کی خاطر (حالات سے) لڑو۔

کبھی بھی کسی لمحاتی طیش یا عارضی جذبات کی خاطر ان مردوں کے سر نہ جھکنے دینا

جنہوں نے تم سے محبت کی اور تمہاری پرورش کی۔

جس نے تمہیں خود پر امین بنایا، اس کی امانت اسے لوٹا دو!

حضرت حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مجھے غزوہِ بدر میں شریک ہونے سے کسی چیز نے نہیں روکا تھا

سوائے اس کے کہ میں اور میرے والد "حسیل یعنی یمان" نکلے،

ہمارا ارادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے کا تھا۔

راستے میں ہمیں کفارِ قریش نے پکڑ لیا اور پوچھا:

"کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جانا چاہتے ہو؟"

ہم نے کہا: "ہمارا ارادہ صرف مدینہ جانے کا ہے"۔

تب انہوں نے ہم سے اللہ کا عہد و میثاق لیا کہ ہم مدینہ ہی جائیں گے

اور ان (قریش) کے خلاف جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں دیں گے۔

چنانچہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم دونوں واپس لوٹ جاؤ،

ہم ان سے کیا ہوا عہد پورا کریں گے

اور ان کے مقابلے میں اللہ سے مدد مانگیں گے!"

یہ ہیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو اس کافر کے ساتھ بھی عہد پورا کرتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑنے آیا تھا۔

اگر تم "صحابیہ" ہونے کا شرف پانا چاہتی ہو،

تو مسلمانوں کے عہد و پیماں کی پاسداری تو سب سے پہلا حق ہے!

پس کبھی وہ عہد مت بھولنا جو تم نے کیا تھا،

اور نہ ہی اس احسان کو بھولنا جو تمہارے ساتھ کیا گیا،

اور نہ ہی ان شیریں لمحات کو فراموش کرنا جو تم نے جیے تھے؛

ایسی ہی وفادار بنو جیسا ایک صحابیہ ہونے کے شایانِ شان ہے!

❁❁❁

آسمانوں کا سفر!

تم بھی ایک صحابیہ ہو!

اور دیکھو، یہ تمہارے نبی ﷺ ہیں،

تمہارے محبوب ﷺ جو اپنے آسمانی سفر (معراج) سے واپس لوٹ آئے ہیں!

تم صحابہ کے مجمع میں بیٹھی ہو،

اور تمہارے اندر عجائبِ معراج سننے کا بے پناہ شوق اور تڑپ ہے!

اور وہ (نبی کریم ﷺ) جو سدرۃ المنتہیٰ پر مہمان رہے،

اپنی شیریں آواز میں تمہارے لیے کلام کی زین کستے ہیں (یعنی کلام کا آغاز کرتے ہیں)

اور تم سے فرماتے ہیں:

"جس رات مجھے سیر کرائی گئی (شبِ معراج)، مجھے ایک نہایت پاکیزہ اور بھلی خوشبو آئی۔

میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیسی خوشبو ہے؟

انھوں نے جواب دیا: یہ فرعون کی بیٹی کی مشاطہ (خادمہ/کنگھی کرنے والی)

اور اس کے بچوں کی خوشبو ہے!

میں نے پوچھا: فرعون کی بیٹی کی مشاطہ کا کیا قصہ ہے؟

انھوں نے بتایا: ایک دن وہ فرعون کی بیٹی کے بال سنوار رہی تھی کہ

اچانک اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی۔ اس نے (کنگھی اٹھاتے ہوئے) کہا:

بسم اللہ! (اللہ کے نام سے)۔

فرعون کی بیٹی نے (حیرت سے) پوچھا: کیا میرے باپ (کے نام سے)؟

اس نے جواب دیا: نہیں! بلکہ میرا رب اور تیرے باپ کا رب "اللہ" ہے!

فرعون کی بیٹی نے پوچھا: کیا میں اسے (اپنے باپ کو) یہ بات بتادوں؟

اس نے (نہایت استقامت سے) کہا:

ہاں! چنانچہ اس نے اپنے باپ کو بتادیا، تو فرعون نے اسے بلایا

اور پوچھا: اے فلانہ! کیا میرے علاوہ بھی تمہارا کوئی رب ہے؟

اس نے جواب دیا: ہاں! میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے!

تب فرعون نے حکم دیا کہ تانبے کی ایک بڑی دیگ لائی جائے

اور اسے (آگ پر رکھ کر) خوب تپایا جائے..

پھر فرعون نے حکم دیا کہ اسے (مشاطہ کو) اور اس کے بچوں کو اس (تپتی ہوئی دیگ) میں ڈال دیا جائے!

اس نے فرعون سے کہا: "میری تم سے ایک درخواست ہے!"

فرعون نے پوچھا: "تمہاری کیا حاجت ہے؟"

اس نے کہا: "میری خواہش ہے کہ تم میری اور میرے بچوں کی ہڈیاں ایک ہی کپڑے میں جمع کر کے ہمیں ایک ساتھ دفن کردو!"

فرعون نے کہا: "تمہارا یہ حق ہم پر واجب ہے (ہم ایسا ہی کریں گے)!"

چنانچہ اس نے حکم دیا اور اس کے بچوں کو ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے (دیگ میں) ڈالا جانے لگا؛

یہاں تک کہ باری اس کے سب سے چھوٹے شیر خوار بچے کی آئی۔

(اپنے معصوم بچے کو دیکھ کر) لمحہ بھر کے لیے وہ ہچکچائی،

تو اس (شیر خوار) بچے نے پکار کر کہا: "اے امی جان! کود جایئے،

کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے!

اے صحابیہ! کیا تم نے دیکھا کہ ایمان دلوں میں کیسا انقلاب برپا کر دیتا ہے؟
کیا تم نے دیکھا کہ ایمان کیسے ایک کمزور انسان کو
ایسے مضبوط پہاڑ میں بدل دیتا ہے جو اپنے رب کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکتا؟
وہ تو ہزاروں ملازموں کے درمیان محض ایک "خادمہ" تھی،
اور سامنے فرعون جیسا جابر بادشاہ تھا جس سے طاقتور ترین مرد بھی ہیبت کھاتے تھے،
جو لوگوں میں جھوٹ اور تکبر کے ساتھ یہ اعلان کرتا تھا کہ: "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں!"
وہ فرعون، جس کے کفر اور بہتان کے سامنے پورا ملک سرِتسلیم خم کیے ہوئے تھا؛
کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اسے ٹوک سکے۔
لیکن ایمان نے اس پوری مساوات کو بدل کر رکھ دیا!
وہ ایک "کمزور خادمہ" اس جابر بادشاہ کے سامنے (ڈٹ گئی)
جو ظلم کے ساتھ حکومت کر رہا تھا
اور کفر کے ساتھ خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا۔
یہ ایک ایسا معرکہ تھا جس کا نتیجہ بظاہر پہلے سے طے شدہ تھا، اگر (درمیان میں) وہ ایمان نہ ہوتا جس نے تمام ترازو ہی پلٹ کر رکھ دیے!
خادمہ (مشاطہ) اس ثابت قدمی کے ساتھ کھڑی رہی جہاں مردوں کے پاؤں لڑکھڑا جاتے ہیں،
اور اس نے فرعون سے وہ بات کہی جو اس سے پہلے کسی نے اسے کہنے کی ہمت نہ کی تھی:
"میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے!"
"فرعون کے تمام لشکر اسے ذرہ برابر نفع نہ پہنچا سکے،

اس کی تمام تر جبروت وطاقت ہوا میں اڑ گئی،

اور وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنی بیٹی کی خادمہ سے توحید کا سبق لینے پر مجبور ہو گیا:

"میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے!"

اگر ایمان نہ ہوتا تو ہم اس عورت کا نام تک نہ سنتے،

اور تاریخ اسے بھی ایسے ہی مٹا دیتی جیسے اس نے لاکھوں گمنام لوگوں کو مٹا دیا!

لیکن ایمان اللہ کے لشکروں میں سے سب سے طاقتور لشکر ہے، جب وہ دل میں جڑ پکڑ لے!

تم ایمان کے ساتھ ایک پہاڑ ہو، چاہے تم نزاکتِ نسوانی سے لبریز ہی کیوں نہ ہو!

تم ایمان کے ساتھ ایک پورا لشکر ہو، چاہے تم تنہا ہی کیوں نہ ہو!

ایمان کے ہوتے ہوئے دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکتی،

یہ تمہارا سب سے مضبوط اسلحہ اور تمہاری سب سے تیز تلوار ہے!

تم اپنی نسوانیت میں غور وفکر کرتی ہو،

اور تمہاری فطرت میں یہ چاہت رکھی گئی ہے کہ

تم اسے ظاہر کرو تا کہ اپنی "محبت کی پیاس" بجھا سکو؛

لیکن تمہارے دل میں موجود ایمان تم سے کہتا ہے:

اس جمال کی نظروں سے حفاظت ضروری ہے،

میں اس نسوانیت کو اس وقت تک چھپا کر رکھوں گی جب تک اس کا اصل حقدار (شوہر) نہ آ جائے؛

تا کہ وہ مجھے اس محفوظ موتی کی طرح پائے جو نمائش کے لیے نہیں رکھا جاتا!

سونا (Gold) تو وہ ہوتا ہے جو راہ چلتے لوگوں کے لیے دکانوں کے شیلف پر سجایا

جاتا ہے (لیکن تم موتی ہو)!"

جبکہ موتی تو خود کو چھپا کر رکھتا ہے، یہاں تک کہ وہ آ جائے جو اس کی قدر پہچانتا ہو!

تم ایمان کے ساتھ زیادہ طاقتور ہو!

فقر و فاقہ جب لوگوں کے پاس سے گزرتا ہے تو انہیں اللہ کی تقدیر پر ناراض کر دیتا ہے،

لیکن جب تمہارا اس سے سامنا ہوتا ہے تو تم کہتی ہو:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے (نعمتوں سے) محروم نہیں رکھا کہ اس کے پاس کمی ہے،

آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے تو اسی کے قبضے میں ہیں؛

لیکن یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے، اور اللہ نے مجھے اس امتحان میں ڈالا ہے

تاکہ دیکھے کہ میں صبر کرتی ہوں یا کفر (ناشکری)!

چنانچہ میں ثواب کی نیت سے صبر کرنے والی ہوں؛ پس اے فقر! تو جتنا چاہے میرے پاس ٹھہر جا،

نہ تو میری مرضی سے مقیم ہے اور نہ ہی میری مرضی سے جائے گا؛

بے شک تمام معاملات اللہ ہی کے اختیار میں ہیں!

پھر تم اپنے نبی ﷺ اور اپنے محبوب ﷺ کی زندگی سے خود کو تسلی دیتی ہو؛

تم یاد کرتی ہو کہ آپ ﷺ چٹائی پر کیسے سوتے تھے کہ اس کے نشانات آپ ﷺ کے پہلو مبارک پر ثبت ہو جاتے تھے،

کیونکہ آپ ﷺ کے پاس کوئی نرم و گداز بستر نہ تھا!

تم یاد کرتی ہو کہ نبی کریم ﷺ بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ پر کیسے پتھر باندھتے تھے،

اور کیسے کئی کئی دن گزر جاتے تھے اور آپ ﷺ کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی!

آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس کھجور اور پانی کے سوا کوئی کھانا نہ ہوتا تھا!

تب تمہاری اپنی تکلیف تمہاری نظروں میں ہلکی ہو جاتی ہے،

اور تم اپنے آپ سے سرگوشی کرتی ہو:

میں بھی تو ایک صحابیہ ہوں،

اور میں ویسے ہی صبر کروں گی جیسے رسول اللہ ﷺ نے صبر کیا!

تم ایمان کے ساتھ ایک مضبوط پہاڑ ہو؛

بیماری جب لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے۔

اور وہ (بیماری) انہیں اللہ کی تقدیر پر ناراض کر دیتی ہے،

لیکن تم (ایمان کی بدولت) اس سے کہتی ہو:

بے شک اللہ نے مجھ پر نظرِ کرم فرمائی تو مجھے (اس آزمائش کے لیے) چن لیا،

اور اس نے چاہا کہ جنت میں میرا درجہ بلند کرے،

اس لیے اس نے تمہیں (اے بیماری!) میری طرف بھیجا ہے!

پس اللہ کی قسم! اے بیماری، تم مجھ میں حمد اور صبر کے سوا کچھ نہ پاؤ گی۔

میں حضرت ایوب علیہ السلام سے بہتر نہیں ہوں جب ان کے رب نے انہیں آزمایا تھا،

اور نہ ہی میں اپنے نبی اور اپنے محبوب ﷺ سے بہتر ہوں؛

جب آپ ﷺ سر کے شدید درد کی وجہ سے پٹی باندھ لیتے تھے،

اور تھکاوٹ و تکلیف آپ ﷺ کو نڈھال کر دیتی تھی

جب اس زہر کا اثر لوٹ کر آتا تھا جو اس یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں

ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا تھا!

اے بیماری! تم اپنی مرضی سے نہیں آئی ہو،

اور نہ ہی اپنی مرضی سے جاؤ گی؛

بے شک تمام معاملات اللہ ہی کے اختیار میں ہیں!

پس اگر تم (میرے پاس) ٹھہر گئی تو صبر کے سوا کچھ نہ پاؤ گی،

اور اگر تم رخصت ہو گئی تو شکر کے سوا کچھ نہ پاؤ گی۔

میں اللہ کی بندی ہوں، اسی کی ملکیت ہوں، اسی کے لیے ہوں،

اسی کے حکم کے تابع ہوں اور اسی کے قبضے میں ہوں؛

اور اس کی ہر تقدیر خیر ہی خیر ہے!

تم ایمان کے ساتھ ایک الگ شخصیت ہو!

جب پیاروں کی جدائی (موت) کا صدمہ لوگوں کے پاس سے گزرتا ہے،

تو وہ ٹوٹ جاتے ہیں اور شکوہ وفریاد کرنے لگتے ہیں؛

لیکن تم اس صدمے سے کہتی ہو:

جو کچھ اللہ نے دیا وہ اسی کا تھا، اور جو اس نے لے لیا وہ بھی اسی کا ہے،

اور اس کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے!

تم اپنے نبی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے تسلی پاتی ہو؛

تم یاد کرتی ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ غم جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زوجہ (حضرت) خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کھو دیا تھا،

تم یاد کرتی ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ تکلیف جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا (حضرت) حمزہ رضی اللہ عنہ کو کھو دیا تھا،

اورتم یاد کرتی ہو آپ ﷺ کے وہ آنسو جو آپ ﷺ کے شیر خوار بیٹے ابراہیم (رضی اللہ عنہ) کی وفات پر بہے تھے۔

تب تم یہ جان لیتی ہو کہ یہ سب لکھی ہوئی عمریں اور متعین مدتیں ہیں،

اور ہم سب کو ایک دن اس سفر کے اختتام (موت) تک پہنچنا ہے۔

ہم اس دنیا میں محض ایک "امانت" ہیں،

اور امانت کے مالک کا یہ حق ہے کہ وہ جب چاہے اسے واپس لے لے!

اے صحابیہ! ہم دنیا کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔

ہم تو صرف ایک طویل سفر کے مسافر ہیں،

ہمارے اصل گھر تو جنت میں ہیں؛

جہاں کسی زمانے میں ہمارے باپ آدم علیہ السلام اور ہماری ماں حوا علیہا السلام رہا کرتے تھے۔

ہمارا تعلق وہیں سے ہے، اور ہمیں وہیں لوٹ کر جانا ہے۔

پس صبر کرو!

کیونکہ جو شخص یہ جان لے کہ وہ (بدلے میں) کیا مانگ رہا ہے،

اس کے لیے وہ سب کچھ قربان کرنا آسان ہو جاتا ہے

جو وہ (راہِ خدا میں) پیش کر رہا ہے!

❁❁❁

فرعون کے محل میں!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

تمہارے اندر سابقہ امتوں کے حالات وواقعات جاننے کا ایک بے پناہ شوق ہے،
تمہیں ان تذکروں میں اپنے دل کے لیے ثبات
اور اپنی روح کے لیے تسکین ملتی ہے۔
ان قصص سے تمہارا یہ یقین اور پختہ ہو جاتا ہے کہ اللہ کے نزدیک دین (اصلاً)
ایک ہی ہے؛
جس کا آغاز آدم علیہ السلام سے ہوا اور جس کا اختتام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا!
شریعتیں مختلف ہوتی رہیں اور عبادتوں کے طریقے بدلتے رہے،
مگر وہ دین ایک ہی رہا جس کا عنوان اللہ کے اس قول سے کبھی نہیں بدلتا:
بے شک اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین صرف اسلام ہی ہے!
اور دیکھو، یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں،
جو تمہارے لیے اپنے میٹھے لہجے میں گفتگو کی زین کستے ہیں؛
اور اب تم (تخیل میں) کلام کی سواری پر سوار ہو چکی ہو۔
تم ماضیِ بعید کی ان پگڈنڈیوں کی طرف لوٹ رہی ہو جنہیں تم نے کبھی جیا نہیں،
اور تم ان غیب کی خبروں کا مشاہدہ کر رہی ہو جن کی تم کبھی گواہ نہیں رہیں!
تمہارے محبوب اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے فرما رہے ہیں:
(حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین باتوں کے؛
جن میں سے دو تو اللہ کی ذات (دین) کی خاطر تھیں۔
ایک ان کا یہ قول: ﴿إِنِّي سَقِيمٌ﴾ بے شک میں بیمار ہوں (تا کہ بت پرستوں

کے میلے میں نہ جانا پڑے)۔

اور دوسرا ان کا یہ قول: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُ﴾ بلکہ یہ (کام) تو ان کے اس بڑے (بت) نے کیا ہے!

اور تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور (ان کی زوجہ) حضرت سارہ (علیہا السلام) سفر پر تھے،

کہ ان کا گزر ایک جابر اور سرکش بادشاہ کی حدود سے ہوا۔

اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ:

یہاں ایک ایسا شخص آیا ہے جس کے ساتھ دنیا کی خوبصورت ترین خاتون ہے!

(بادشاہ نے) ان (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی طرف پیغام بھیجا

اور ان سے (حضرت سارہ علیہا السلام کے بارے میں) پوچھا: یہ کون ہے؟

انہوں نے فرمایا: میری بہن ہے!

پھر ابراہیم (علیہ السلام) سارہ علیہا السلام کے پاس آئے اور فرمایا:

اے سارہ! روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے،

اور اس شخص نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اسے بتا دیا کہ تم میری (دینی) بہن ہو؛

پس تم مجھے (اس کے سامنے) جھوٹا نہ کرنا!

پھر اس نے ان دونوں کو بلایا۔ جب سارہ اس کے پاس داخل ہوئیں،

تو اس نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا؛

لیکن (قدرتِ الٰہی سے) اس کا ہاتھ جکڑا گیا!

تب اس نے سارہ سے کہا: اللہ سے دعا کرو کہ وہ میرا ہاتھ چھوڑ دے،

میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا!

سارہ نے دعا کی، تو اس کا ہاتھ کھل گیا۔

پھر اس نے دوبارہ ان کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی،

تو اس کا ہاتھ پہلے جیسا یا اس سے بھی زیادہ سختی سے جکڑا گیا!

تب اس نے اپنے خادموں کو پکارا اور کہا:

تم میرے پاس کسی انسان کو نہیں لائے،

بلکہ تم میرے پاس کسی شیطان (سرکش مخلوق) کو لے آئے ہو!

پھر سارہ، ابراہیم (علیہم السلام) کے پاس واپس آئیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

انہوں نے (آ کر) کہا: اللہ نے اس بدکار کے ہاتھ کو روک دیا،

اور اس نے ہاجرہ کو میری خدمت کے لیے دے دیا ہے!

اے صحابیہ! قصہ مختصر یہ ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنی قوم کے ہاتھوں عراق سے نکالے گئے،

تو اپنی زوجہ حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ مصر تشریف لائے۔

حضرت سارہ علیہا السلام انسانی تاریخ کی خوبصورت ترین خاتون تھیں؛

یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ان کی رگوں میں اسی (دادی) کی وجہ سے تھا!

اس وقت کا فرعون ایک عیاش طبع انسان تھا، جو کسی بھی خوبصورت عورت کو دیکھتا تو اسے اپنے لیے مخصوص کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔

اس بادشاہ نے اپنے لشکریوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی وہ کسی خوبصورت عورت کو دیکھیں تو اسے اس کے بارے میں خبر دیں۔

چنانچہ اس کے کارندوں نے اسے حضرت سارہ کے حسن و جمال کی اطلاع دی۔

فرعون (اس وقت کے جابر بادشاہ) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا بھیجا۔

جب وہ حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے ان (حضرت سارہ علیہا السلام) کے بارے میں پوچھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "یہ میری بہن ہے!"

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اسے "زوجہ" (بیوی) بتایا

تو وہ بادشاہ انہیں قتل کر کے ان کی اہلیہ کو ان سے چھین لے گا۔

جب ابراہیم اور سارہ (علیہم السلام) فرعون کے محل میں پہنچے،

تو اس نے حکم دیا کہ سارہ کو اس کے پاس لایا جائے۔

جب بادشاہ نے ان کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا، تو اس کا ہاتھ وہیں ساکت (پتھر کی طرح سخت) ہو گیا!

تب اس نے حضرت سارہ سے التجا کی کہ وہ اللہ سے دعا کریں کہ وہ اس کا ہاتھ کھول دے، اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ اب انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔

وہ جان گیا تھا کہ حضرت سارہ اور ابراہیم علیہم السلام موحد (ایک اللہ کو ماننے والے) ہیں اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

پس انہوں نے دعا فرمائی اور وہ تندرست ہو گیا۔

مگر اس بدبخت نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی اور دوبارہ ان کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی۔

اس بار اسے پہلی دفعہ سے بھی زیادہ سخت تکلیف نے آلیا!

تب اس نے اپنے خادموں کو پکارا اور کہا: یہ کوئی انسان نہیں بلکہ کوئی شیطان

(سرکش مخلوق) ہے!

اس نے حکم دیا کہ انہیں رہا کر دیا جائے اور (حضرت) ہاجرہ کو بطور ہدیہ (خادمہ) ان کے ساتھ کر دیا جائے۔

حضرت سارہ، ابراہیم علیہم السلام کے پاس واپس آئیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے انہیں سارا قصہ سنایا۔ روایت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے (محل کے) تمام پردے ہٹا دیے تھے،

اور وہ اپنی جگہ بیٹھے فرعون اور سارہ کے درمیان ہونے والے تمام حالات دیکھ رہے تھے۔

یہ اللہ کی طرف سے اپنے "خلیل" (دوست) کے لیے تسلی تھی،

تاکہ ان کا دل مطمئن رہے کہ ان کی عزت اللہ کی پناہ میں محفوظ ہے!

اے صحابیہ!

اس قصے میں جس "جھوٹ" کا تذکرہ ہے، یہ وہ (عام) جھوٹ نہیں ہے جسے تم جانتی ہو؛

وہ جھوٹ جو حق کو باطل میں بدل دیتا ہے۔

بلکہ یہ تو محض ضرورت کے تحت حقیقت کے برعکس خبر دینا ہے۔

دینِ اسلام ایک نہایت عظیم، حقیقت پسندانہ اور زندگی سے بھرپور دین ہے،

اسی لیے اس نے تین مواقع پر (ایسے) جھوٹ کی اجازت دی ہے:

دشمن کے مقابلے میں مسلمان کا جھوٹ:

یہ عقل کے خلاف ہے کہ کفار کسی مسلمان کو قیدی بنا لیں

اور اس سے مسلمانوں کے راز پوچھیں، تو وہ انہیں سب کچھ بتا دے! (ایسے موقع پر وہ اپنی اور اپنی قوم کی حفاظت کے لیے توریہ یا خلافِ حقیقت بات کر سکتا ہے)۔

باہمی تعلقات کی اصلاح کے لیے جھوٹ:

جب لوگوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو جائیں جنہیں ختم کرنا ضروری ہو؛

مثلاً اگر تمہاری دو سہیلیوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے،

تو تم ان میں سے ایک کے پاس جاؤ اور اس سے کہو:

فلاں تم سے بہت محبت کرتی ہے، وہ اپنی اس بات پر نادم (شرمندہ) ہے جو اس سے سرزد ہوئی،

اور وہ تمہارے بارے میں بہت اچھے کلمات کہہ رہی تھی۔

آؤ اب ہم اس بات کو ختم کریں جو ہو چکی!

پھر تم دوسری سہیلی سے بھی جا کر یہی بات کہو، تو اس طرح اختلاف ختم ہو جائے گا۔

اس کوشش پر تمہیں صلح کا اجر ملے گا اور تم پر جھوٹ کا گناہ نہیں ہوگا۔

میاں بیوی کا ایک دوسرے سے (محبت آمیز) جھوٹ:

دینِ عظیم نے مرد کا اپنی بیوی سے اور عورت کا اپنے شوہر سے جھوٹ بولنا اس وقت مباح (جائز) قرار دیا ہے

جب اس کا تعلق دلجوئی اور جذبات کی رعایت سے ہو۔

مثلاً ایک شوہر اپنی بیوی سے کہے: "تم دنیا کی خوبصورت ترین خاتون ہو!

حالانکہ وہ جانتا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ خوبصورت عورتیں بھی موجود ہیں،

اور بیوی بھی یہ حقیقت جانتی ہے (مگر اس جملے سے محبت بڑھتی ہے)۔

لیکن یہ سچائی کا میدان نہیں ہے،

کیونکہ یہاں (بیان کی گئی) سچائی دل توڑ دیتی ہے!

چنانچہ ایک شوہر کسی ایسے لباس کی تعریف کر سکتا ہے جو اسے (حقیقت میں) پسند نہ ہو،

یا کسی ایسے ہیئر سٹائل کی تعریف کر سکتا ہے جو اسے اچھا نہ لگا ہو،

یا کسی ایسے نئے کھانے کو سراہ سکتا ہے جو اسے لذیذ نہ لگا ہو۔

یہ سب کچھ "جبرِ خاطر" (دلجوئی) کے باب میں آتا ہے،

اور دلجوئی کرنا عبادت ہے!

جو بات شوہر کے حق میں کہی گئی ہے، وہی بیوی کے حق میں بھی کہی جائے گی!

ایک آدمی نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا وہ اس سے محبت کرتی ہے؟ اور اسے اللہ کا واسطہ دے کر سچ بولنے کو کہا۔

بیوی نے جواب دیا: چونکہ تم نے مجھے اللہ کا واسطہ دیا ہے (تو سن لو کہ) میں تم سے محبت نہیں کرتی!

وہ شخص (رنجیدہ ہو کر) اس کی شکایت لے کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کو بلوایا اور اس کی اس بات پر اسے تنبیہ کی۔

اس خاتون نے عرض کیا:

اے امیر المومنین! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں جھوٹ بولوں؟

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! (ایسے موقع پر) جھوٹ بولو۔ کیا تمام گھر صرف محبت پر ہی بسائے جاتے ہیں؟

کیا لوگ مروت (لحاظ) اور عہد و پیمان کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر نہیں کرتے؟

اے صحابیہ!

اب تم جان چکی ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ (اصلاً جھوٹ نہیں بلکہ) حسنِ تدبیر اور ایک حکمتِ عملی تھی۔

اسی طرح ان کا یہ قول کہ: بے شک میں بیمار ہوں؛
صرف اس لیے تھا کہ وہ ان (مشرکین) کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت (میلے) میں جانے سے بچ سکیں۔

اور ان کا یہ فرمانا کہ: بلکہ یہ تو ان کے اس بڑے (بت) نے کیا ہے! (بھی اسی حکمت کا حصہ تھا)۔

(حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات) ان پر حجت قائم کرنے کے لیے تھی،
تا کہ وہ انہیں دکھا سکیں کہ یہ بت جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں،
وہ تو محض عاجز و مجبور ہیں، جو نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی نفع دے سکتے ہیں!
پس (اے خاتون!) سچائی کے نام پر تلخ اور بدتمیز نہ بنو!
جہاں دلجوئی کی ضرورت ہو وہاں "حکمت و مصلحت" (Diplomacy) ہی مطلوب ہوتی ہے۔
جب کبھی اختلافات پیدا ہوں تو خیر کا پیغام لانے والی بنو۔
لڑنے والوں کے درمیان چغل خوری کر کے آگ پر تیل چھڑکنے کا کام نہ کرو،
اور یاد رکھو: چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا!

اے صحابیہ!

جو پاکدامنی کی تڑپ رکھتی ہے، اللہ اسے پاکدامن کر دیتا ہے۔
بے شک اللہ اس سے کہیں زیادہ عادل ہے کہ وہ تمہیں پردہ طلب کرتے ہوئے دیکھے اور پھر تمہیں رسوا کر دے!
اور وہ اس سے کہیں زیادہ بزرگ و برتر ہے کہ تم اس سے خیر مانگو اور وہ تمہیں شر میں ڈال دے! اپنے دل اور اپنی نیت کی اصلاح کر لو، اور پھر معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔

تمام اسباب اسی سبحانہ وتعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں۔

(دیکھو!) فرعون کا ہاتھ اس لیے شل (ساکت) ہو گیا کیونکہ وہ ایک پاکدامن عورت کی طرف بڑھا تھا؛

پس تم اللہ کے ساتھ ہو جاؤ، اللہ تمہارے ساتھ ہو جائے گا!

اے صحابیہ!

خوبصورتی، مال اور منصب ہاں! یہ سب وہ نعمتیں ہیں جن کی حفاظت کرنی چاہیے۔

خوبصورتی کی حفاظت اسے (غیروں سے) چھپانے اور اسے صرف اس کے حقدار (شوہر) کے لیے مخصوص رکھنے میں ہے۔

مال کی حفاظت اللہ کی حمد وثنا اور فقراء کی مدد کرنے میں ہے۔

اور منصب کی حفاظت لوگوں کی خدمت کرنے میں ہے!

تم خوبصورت بنو اور اپنی نسوانیت کا خیال رکھو؛

بناؤ سنگھار کرو،

بہترین لباس پہنو

اور عمدہ خوشبوئیں استعمال کرو،

لیکن یاد رکھو! یہ سب صرف اپنے مقام اور محل (یعنی گھر اور شوہر) کے لیے ہو۔

تم تعلیم حاصل کرو، ڈگریاں لو اور اگر چاہو تو تجارت بھی کرو۔

تم خوب مالدار بنو مگر تکبر اور ناشکری سے بچو!

اپنی ملازمت میں کامیابی حاصل کرو اور اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے کی تگ و دو کرو،

لیکن یہ کبھی مت بھولنا کہ جس (رب) نے تمہیں بلندی عطا کی ہے،

وہ ایک مظلوم کی پکار پر تمہیں نیچے گرانے پر بھی قادر ہے!

اے صحابیہ!

تم چاہے جتنی بھی خوبصورت، امیر اور کامیاب ہو جاؤ،

ہمیشہ اپنے شوہر کی پناہ (سائے) میں رہو۔

اس پر کبھی تکبر نہ کرو اور نہ ہی اس کی مردانگی (عزتِ نفس) میں کوئی کمی آنے دو؛

کیونکہ یہ نیک خواتین کا طریقہ ہے اور نہ ہی ان کا اخلاق!

تم خوبصورتی کے چاہے جس مقام پر بھی پہنچ جاؤ، تم (حضرت) سارہ علیہا السلام کے حسن تک نہیں پہنچ سکتیں؛

وہ (جتنی حسین تھیں اس کے باوجود) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سائے میں ایک محبت کرنے والی بیوی اور زندگی کے سفر کی بہترین ساتھی بن کر رہیں۔

اور تم مال ودولت کے چاہے جس معیار کو بھی چھولو،

تم (حضرت) خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ثروت (دولت) تک نہیں پہنچ سکتیں؛

جنہوں نے اپنا سارا مال اپنے شوہر کے ہاتھ میں دے دیا تھا،

اور انہیں اس وقت نوازا تھا جب لوگوں نے انہیں (سہارے سے) محروم کر دیا تھا!

اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا،

اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کیا!

بے شک تمہارا مال تمہارا ہی ہے، اس میں کوئی شک نہیں؛

اور یہ تمہارا وہ حق ہے جس میں کوئی تم سے جھگڑا نہیں کر سکتا۔

لیکن وہ گھر جن میں دو الگ الگ جیبیں ہوں

جہاں یہ بحث ہو کہ یہ تمہارا ہے اور یہ میرا ہے

وہاں زندگی گزارنا ناپابندِ برداشت (انتہائی مشکل) ہو جاتا ہے!

بے شک اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا!

تم بھی ایک صحابیہ ہو!

تم نے نہایت شوق کے ساتھ فرعون کے محل میں (حضرت) سارہ کا قصہ سنا،

اور یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کی عزت و آبرو کی حفاظت فرمائی،

اور وہ کیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس لوٹیں جبکہ ان کے ساتھ ہاجرہ بھی تھیں؛

وہ خادمہ جو فرعون نے انہیں اس وقت ہدیہ کی تھی جب وہ جان گیا تھا کہ وہ ایک مبارک خاتون ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا شوق اب دو چند (دگنا) ہو چکا ہے،

اور اب تم پوچھ رہی ہو: اس کے بعد کیا ہوا؟

تمہارا یہ شوق بالکل بجا ہے؛

کیونکہ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ایک ایسا معجزہ ہے

جو اس بات کا مستحق ہے کہ انسان اپنا دل، عقل اور سماعت (پوری توجہ) اس کی طرف لگا دے!

(حضرت) سارہ علیہا السلام نے اپنی حالت پر غور کیا اور وہ جان گئیں کہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہیں،

جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کی شادی کو کئی برس بیت چکے تھے۔

وہ جانتی تھیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد اور نسل کے لیے کتنے تڑپ رہے ہیں؛

چنانچہ انہوں نے ہاجرہ کو آزاد کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ ان سے نکاح کر لیں۔

اور پھر ایسا ہی ہوا...

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل (علیہ السلام) کو ان کے پہلے بیٹے اسماعیل (علیہ السلام) سے نوازا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل بچے اور اس کی ماں (حضرت ہاجرہ) کی محبت میں مگن ہوگیا، تو (حضرت) سارہ علیہا السلام کو سخت غیرت (رشک) محسوس ہونے لگی۔

ایک بیوی سے اس وقت کچھ ایسے تصرفات صادر ہونے لگے جو اس وقت ہوتے ہیں جب وہ اپنی سوکن سے غیرت کھاتی ہے!

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے، ہاجرہ اور اسماعیل (علیہ السلام) کو ساتھ لیا اور انہیں لے کر ایک ایسے طویل سفر پر روانہ ہوگئے

جس کی قسمت میں زمین کا نقشہ ہمیشہ کے لیے بدل دینا لکھا تھا!

منزلِ مقصود مکہ مکرمہ تھا!

وہ بستی جہاں زندگی کا کوئی نام ونشان نہ تھا؛

نہ انسان، نہ درخت اور نہ ہی پانی!

جہاں تک کعبہ کا تعلق ہے، وہ طوفانِ نوح علیہ السلام کی وجہ سے منہدم ہو چکا تھا اور اس کی بنیادوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا، جنہیں گردشِ ایام نے ریت کے تلے دبا دیا تھا، اور اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (حضرت) ہاجرہ کو

کھجوروں سے بھرا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ دیا،

پھر پیٹھ موڑ کر چل دیے۔

(حضرت) ہاجرہ علیہا السلام ان کے پیچھے پیچھے چلیں اور عرض کیا:

اے ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں،

جہاں نہ کوئی جاندار ہے اور نہ ہی زندگی کے آثار؟

وہ بار بار اپنا یہ سوال دہراتی رہیں،

مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف مائلِ التفات نہ ہوئے۔

آخر کار انہوں نے پوچھا: "کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں!

تب انہوں نے (کامل یقین کے ساتھ) کہا: پھر وہ ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا!

چنانچہ (حضرت) ہاجرہ علیہا السلام وہیں لوٹ آئیں جہاں ان کے شوہر انہیں چھوڑ کر گئے تھے۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے،

یہاں تک کہ جب "ثنیہ" (پہاڑی کے موڑ) پر پہنچے جہاں سے وہ نظر نہیں آ رہے تھے، تو آپ علیہ السلام نے ہاتھ اٹھا کر اپنے رب سے یہ دعا مانگی:

اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے؛ اے ہمارے رب! تا کہ یہ نماز قائم کریں، پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما، تا کہ یہ (تیرے) شکر گزار بن سکیں۔

(حضرت) ہاجرہ اسماعیل (علیہ السلام) کو دودھ پلانے لگیں اور خود اس مشکیزے کا پانی پینے لگیں؛

یہاں تک کہ جب مشکیزہ ختم ہو گیا تو وہ خود بھی پیاسی ہوئیں اور ان کا بیٹا بھی پیاس سے تڑپنے لگا۔

وہ اپنے بچے کو (پیاس کی شدت سے) تڑپتا ہوا دیکھنے لگیں،

مگر اب ان سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی، چنانچہ وہ (پانی کی تلاش میں) نکل کھڑی ہوئیں۔

وہ صفا اور مروہ (کی پہاڑیوں) کے درمیان دوڑنے لگیں کہ شاید انہیں کوئی انسان نظر آ جائے جو ان کی مدد کر سکے۔

جب انہوں نے سات چکر مکمل کر لیے

اور لوگوں سے (مدد کی) تمام امیدیں ٹوٹ گئیں اور انہوں نے اپنی تمام تر امیدیں اللہ کی ذات سے وابستہ کر لیں؛

تو دیکھو! وہ ذات جو گمانوں کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیتی،

اس نے ان کی طرف ایک فرشتے کو بھیجا جس نے زمین پر اپنا پر مارا!

اچانک ان کے بیٹے کے قدموں کے پاس سے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا؛

وہ اس ڈر سے کہ کہیں پانی بہہ نہ جائے، اپنے ہاتھوں سے اسے روکنے (تھامنے) لگیں اور کہنے لگیں: "زَمْ زَمْ" (رک جا، رک جا)۔

اسی لیے اس پانی کا نام "آبِ زمزم" پڑ گیا۔

انہوں نے خود بھی پیا اور اپنے بچے کو بھی دودھ پلایا۔

تب فرشتے نے ان سے کہا: ہلاکت (ضائع ہونے) سے مت ڈرو؛

کیونکہ یہاں اللہ کا گھر ہے

جسے یہ بچہ اور اس کا باپ (مل کر) تعمیر کریں گے،

اور بے شک اللہ اپنے والوں کو ضائع نہیں کرتا!

پرندوں نے پانی کی جگہ دریافت کر لی اور وہ اس کے گرد چکر لگانے لگے۔

وہیں قریب سے قبیلہ "جرہم" کا گزر ہوا، انہوں نے آسمان پر پرندوں کو منڈلاتے دیکھا تو کہنے لگے: یہ پرندہ تو کسی پانی والی جگہ کے گرد ہی چکر لگاتا ہے،

حالانکہ اس وادی کے بارے میں ہمارا علم تو یہی ہے کہ یہاں پانی موجود نہیں ہے!

انہوں نے (حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس آ کر) وہاں قیام کی اجازت مانگی، تو انہوں نے انہیں اجازت دے دی۔

اور یوں (مکہ میں) لوگوں کے ذریعے آبادی کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) ہاجرہ علیہا السلام کو تنہائی سے نجات دی اور ان کی وحشت کو دور فرما دیا!

اے صحابیہ! یہ ایک ایسی ایمان افروز داستان ہے کہ

اگر ہم اس کا پورا حق ادا کرنا چاہیں تو ایک ضخیم کتاب بھی کافی نہ ہوگی؛

لیکن ہار (نیکلس) کا وہی حصہ کافی ہوتا ہے جو گردن کے گرد آ جائے (یعنی خلاصہ ہی کافی ہے)۔

جیسا کہ عرب کہتے ہیں:

جس چیز کا پورا حاصل کرنا ممکن نہ ہو، اسے مکمل طور پر چھوڑا بھی نہیں جاتا۔

حضرت سارہ علیہا السلام کی یہ عظمت ہے کہ انہوں نے خود (حضرت) ہاجرہ علیہا السلام کو ابراہیم علیہ السلام کے سپرد کیا تاکہ وہ ان سے نکاح کر لیں۔

انہوں نے اپنی (نسوانی) فطرت کے خلاف فیصلہ کیا، حالانکہ عورت کی جبلت میں سوکن (ضرر) کے لیے ایک خاص فطری ناپسندیدگی رکھی گئی ہے؛

مگر وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کا شوہر اولاد کی نعمت سے محروم رہے۔

اور جب (بعد میں) انہیں غیرت (رشک) آئی تو اس کی وجہ ایمان کی کمی نہیں بلکہ یہی بشری فطرت تھی؛

کیونکہ وہ تو ایمان و استقامت کا ایک پہاڑ تھیں!

لیکن فطرت ایک ایسی چیز ہے جس میں تمام انسان خواہ مومن ہوں یا کافر برابر ہوتے ہیں۔

اس کا ایمان کے مرتبے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا (یعنی یہ ایک قدرتی احساس ہے)۔

ایمان اس فطرت کو اعتدال میں لاتا اور اسے ادب سکھاتا ہے۔

وہ نفسانی خواہشات کو لگام ڈالتا ہے، اگرچہ وہ انہیں مکمل طور پر ختم نہیں کرتا۔

اگر کوئی عورت سوکن کی غیرت سے بچ سکتی،

تو وہ حضرت سارہ علیہا السلام ہوتیں!

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اس سے محفوظ رہتیں! حالانکہ ان کے درمیان بھی وہی غیرت ورشک موجود تھا جو عام عورتوں کے درمیان ہوتا ہے۔

مگر یاد رکھو! ایمان ہی وہ قوت ہے جو زندگی کے اس پورے توازن کو برقرار رکھتا ہے۔

اور ایمان ہی عورت کو (اس جذبۂ غیرت کے باوجود) ظلم سے باز رکھتا ہے۔

مومن اور غیر مومن عورت کے درمیان یہی اصل فرق ہے!

پس اگر تم کسی سوکن کی آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ، تو میں تم سے اس کے سوا کچھ نہیں کہوں گا کہ:

اللہ تمہارے دل کو ڈھارس دے اور اسے مضبوط کر دے؛ کیونکہ یہ احساس بڑا کٹھن اور تلخ ہوتا ہے۔

اللہ تمہیں صبر کے زیور سے آراستہ کرے، کیونکہ یہی وہ واحد توشہ ہے جو ایسے وقت میں کام آتا ہے۔

مگر خبردار! تم کبھی ظلم نہ کرنا۔

اپنی سوکن کے بارے میں ایسی بات نہ کہنا جو اس میں نہ ہو۔

اس کی عزت پر حملہ نہ کرنا، جبکہ تم خود اس کی پاکدامنی سے واقف ہو۔

اپنے بچوں اور اس کے بچوں کے درمیان فرق نہ کرنا؛

کیونکہ یہ "قطع رحمی" (رشتوں کو توڑنے) کے مترادف ہے۔

اور یاد رکھو! بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس (سوکن) کے بچوں کے دلوں میں تمہارے لیے اس سے کہیں زیادہ محبت پیدا کر دیتا ہے،

جتنی ان کے دلوں میں اپنی ماں کے لیے ہوتی ہے،

اور زندگی کے آخری ایام میں وہی تمہارے کام آتے ہیں۔

پس اس بات سے بچنا کہ تمہاری غیرت تمہیں تمہارے دین سے ہی باہر نکال دے؛

ورنہ تم اپنے لیے دنیا کی تلخی اور آخرت کی بربادی، دونوں اکٹھی کر لو گی۔

ہمیشہ یہ یاد رکھنا کہ اللہ کے ہاں کچھ بھی رائیگاں نہیں جاتا،

اور "جیسا کرو گی، ویسا بھرو گی!"

پس (حضرت) سارہ علیہا السلام نے، جنہوں نے اپنے شوہر کی خوشی کی خاطر قربانی دی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت سنوار دی، انہیں بڑھاپے میں (حضرت) اسحاق علیہ السلام جیسی اولاد سے نوازا،

جن کی نسل سے بنی اسرائیل کے تمام انبیاء مبعوث ہوئے۔

اے صحابیہ!

ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) اور اپنی زوجہ سے بے نیاز نہ تھے (یعنی انہیں ان کی فکر رہتی تھی)۔

وہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ایک محبت کرنے والے باپ اور ایک مثالی شوہر تھے۔

اور (حضرت) ہاجرہ علیہا السلام بھی اپنے شوہر سے بے نیاز نہ تھیں؛

وہ ایک ایسی محبت کرنے والی بیوی تھیں جو اپنے شوہر سے انس رکھتی تھیں اور ان کے قرب سے خوش ہوتی تھیں۔

لیکن ابراہیم علیہ السلام نے انہیں (مکہ کے بیابان میں) اس لیے چھوڑا

کیونکہ یہ اللہ کا حکم تھا! اور ہاجرہ علیہا السلام اس کٹھن امتحان پر اس لیے راضی ہوئیں کیونکہ یہ اللہ کا حکم تھا!

اللہ کے احکامات بسا اوقات انسانی خواہشات کے برعکس آتے ہیں؛

یہ اس لیے کہ دنیا "آزمائش کا گھر" ہے!

تم فیشن سے ناواقف نہیں ہو،

لیکن تم باحیا لباس اس لیے پہنتی ہو کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے!

تمہاری نسوانیت میں کوئی کمی نہیں ہے،

لیکن تم اپنی زینت (نامحرموں پر) اس لیے ظاہر نہیں کرتیں کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے!

تم اپنے جسم کو اس لیے ڈھانپتی ہو کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے!

تم اس لیے روزہ نہیں رکھتی کہ تمہیں کھانے سے نفرت ہے،

بلکہ اس لیے رکھتی ہو کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے!

تم راتوں کو اس لیے نہیں جاگتیں کہ تمہیں نیند سے دشمنی ہے،

بلکہ اس لیے جاگتیں ہو کیونکہ تم اللہ کی رضا چاہتی ہو!

ذرا اس معاملے کو اس زاویے سے دیکھو:

جب تم اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی پسند کے لیے چھوڑ دیتی ہو، تو یہ قربانی تمہارے لیے آسان ہو جاتی ہے!

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا یہ قول کتنا خوبصورت ہے:

"کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟

جب انہوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے جواب دیا: "ہاں،

تو ان کے لیے ہر مشکل آسان ہو گئی!

وہ بیابان صحرا اب انہیں خوفزدہ نہیں کر سکتا تھا، چاہے وہ وہاں تنہا ہی کیوں نہ ہوں؛

اور تپتی دھوپ اب انہیں پریشان نہیں کر سکتی تھی، چاہے وہ (جسمانی طور پر) کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں!

وہ اپنے پورے دل کے ساتھ یہ جانتی ہے کہ جو اللہ کے حکم کو قائم کرتا ہے، اللہ اس کے بگڑے ہوئے کام بنا دیتا ہے!

تم اس بات پر کامل یقین رکھو کہ حجاب (پردہ) کبھی رشتے میں تاخیر کا سبب نہیں بنتا،

اور نہ ہی بے پردگی و بناؤ سنگھار اسے قریب لا سکتے ہیں!

یہ سب لکھے ہوئے رزق (نصیب) ہیں، مگر فرق صرف اتنا ہے کہ

ایک اسے اللہ کی رضا کے ساتھ حاصل کرتی ہے اور دوسری اللہ کی ناراضگی کے ساتھ!

اے صحابیہ!

تم نازک ضرور ہو مگر کمزور نہیں،

تم سراپا نزاکت ہو مگر بے بس نہیں۔

اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لو۔

اگر (حضرت) ہاجرہ علیہا السلام، ابراہیم علیہ السلام کے چھوڑ جانے کے بعد (ہمت ہار کر) بیٹھ جاتیں اور رونے لگتیں،

تو کوئی بھی ان پر ملامت نہ کرتا!

آخر ایک تنہا عورت اس وسیع و عریض صحرا میں کر ہی کیا سکتی تھی؟

کیا وہ صحرا میں کنواں کھودتی؟

یا پھر پتھروں میں سے کھانا تلاش کرتی؟

مگر ہاجرہ علیہا السلام نے حالات کی سنگینی کے باوجود اپنی کوشش (سعی) کو ترک نہیں کیا۔

وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے لگیں،

وہ نجات کا کوئی بھی راستہ اور کوئی بھی سبب تلاش کر رہی تھیں۔

وہ یہ جانتی تھیں کہ وہ کوشش کرنے پر مامور ہیں،

جبکہ نتائج تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں!

اور جب انہوں نے اپنی بساط کے مطابق سب کچھ کرلیا، اور اپنی پوری طاقت سے تگ و دو کی؛

تو اللہ کی نصرت و معیت ایک معجزے کی صورت میں ظاہر ہوئی!

کس نے تم سے کہہ دیا کہ معجزات کے لیے سعی اور کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے اور ان کے ساتھ ہم بھی جانتے ہیں کہ

لاٹھی سمندر کو اپنے آپ نہیں پھاڑتی!

اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس نے لاٹھی کے ذریعے سمندر کو چیرا،

وہ اس بات پر بھی قادر تھا کہ اسے لاٹھی کے بغیر چیر دیتا؛

لیکن یہ عبادتِ سعی ہے،

جو پوری تاریخ میں انبیاء اور اہل ایمان کا شیوہ رہا ہے۔

اسی لیے اللہ نے ان سے فرمایا: اپنی لاٹھی سمندر پر مارو۔

حضرت نوح علیہ السلام جانتے تھے اور ہم بھی جانتے ہیں کہ

جس ذات نے انہیں کشتی کے ذریعے نجات دی،

وہ انہیں اس کے بغیر بھی نجات دینے پر قادر تھی!

لیکن انہوں نے مقدور بھر سبب اختیار کیا اور پھر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔

اسی لیے ان کے رب نے ان سے فرمایا: اور کشتی بناؤ۔

اور حضرت مریم علیہا السلام جانتی تھیں اور ہم بھی جانتے ہیں کہ

ایک طاقتور مرد بھی کھجور کے درخت کو نہیں ہلا سکتا،

چہ جائیکہ وہ عورت جس نے ابھی ابھی بچے کو جنم دیا ہو!

لیکن دستیاب سبب کو بروئے کار لانا ضروری تھا،

اور کچھ نہ کچھ سعی بہر حال لازم تھی۔

اسی لیے ہمارے رب نے ان سے فرمایا: اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، وہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔

یقیناً وہ ذات جس نے انہیں (مریم علیہا السلام کو) عام اسباب کے برعکس بیٹا عطا کیا۔

(وہ اللہ) اس پر بھی قادر تھا کہ انہیں اسباب کے بغیر ہی کھجوریں عطا کر دیتا،

لیکن اے صحابیہ! یہ تو بس (تمہاری) سعی اور کوشش کا تقاضا ہے!

تم طاقتور رہو، پس تم کوشش کرو اور نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔

تم ایک مجاہدہ ہو، پس کبھی ٹوٹنا نہیں؛ اور توفیق تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے!

اے صحابیہ!

ذرا اس مقولے پر غور کرو، یہ کتنا شیریں اور دلنشین ہے:

بے شک اللہ اپنے بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا!

لوگوں کو ہمیشہ کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے دلوں پر دستک دے،

جو انہیں بتائے کہ دنیا اب بھی بھلائی سے خالی نہیں ہوئی اور آنے والا وقت مزید خوبصورت ہے۔

تم لوگوں میں امید کے بیج بوؤ،

مثبت سوچ اپناؤ اور خوشیاں بانٹنے والی بنو!

مریض کو بتاؤ کہ شفا قریب ہے،

اور اسے اس ذات کی یاد دلاؤ جس نے حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دی تھی جبکہ لوگ ان سے ناامید ہو چکے تھے۔

ناکام ہو جانے والے کو بتاؤ کہ یہ محض ایک ٹھوکر ہے، زندگی کا خاتمہ نہیں؛

اور جو آج ہاتھ سے نکل گیا ہے، اس کی تلافی کل ممکن ہے۔

حاجت مند کو بتاؤ کہ اللہ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں،

اور جس ذات نے (پہلے) عطا کیا تھا، وہی غنی اب بھی عطا کرنے پر قادر ہے!

غمزدہ کو بتاؤ کہ خوشی کی گھڑی قریب ہے،

اور پریشانی و غم میں بھی اجر چھپا ہوا ہے۔

ٹوٹے ہوئے دل والے کو بتاؤ کہ کشادگی کا وقت دور نہیں،

اور اللہ کی دی ہوئی تسلی اسے وہ سب کچھ بھلا دے گی جو اسے پہنچا ہے!

ایک میٹھا بول روح کو تازگی بخش دیتا ہے!

(ایک میٹھا بول روح کو تازگی بخشتا ہے) اور حالات کی سختیوں کے مقابلے میں لوگوں کا مددگار بنتا ہے۔

کتنا خوبصورت ہے کہ انسان اپنی مثبت سوچ (Optimism) سے پہچانا جائے،

اور وہ ہمیشہ ڈھارس بندھانے والا

اور مصائبِ زمانہ میں مددگار ثابت ہو!

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سیر اعلام النبلاء میں

ابوحمزہ السکری رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت عمدہ تذکرہ موجود ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

ابوحمزہ السُکری، جن کا نام محمد بن میمون تھا،

ایک جلیل القدر عالم اور حافظِ حدیث تھے۔ وہ چینی (شکر) نہیں بیچا کرتے تھے،

بلکہ ان کا نام السُکری (شکر والا) محض ان کے کلام کی شیرینی اور میٹھے بول کی وجہ سے پڑ گیا تھا!

اے صحابیہ!

اگر تم پر حالات تنگ ہو جائیں تو مسئلے کی سنگینی کو مت دیکھو،

بلکہ اس ذات کی قدرت کو دیکھو جس کے ہاتھ میں اس کا حل ہے!

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بچانے کے لیے ایسے طریقے اختیار کرتا ہے کہ عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔

پس تم اللہ کی ہو جاؤ، وہ تمہارا ہو جائے گا!

اور یاد رکھو! "اللہ اپنے بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا!"

یہ محض حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا ایک قول نہیں تھا،

بلکہ یہ ایک عالمگیر قاعدہ، ایک اٹل قانون،

اور کائنات میں اللہ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے!

صرف ایک ہی فکر اپنے سر لو: اور وہ یہ کہ تم اپنے رب کو کیسے راضی کرو گی؟

پھر باقی تمام فکریں اسی (رب) پر چھوڑ دو!

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان (سلامتی سے) تیرتی رہی؛

کیونکہ نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ والے بن چکے تھے!

اور آگ نے ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا،

صرف اس لیے کہ وہ اللہ والے تھے!

اور چھری نے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح نہیں کیا،

صرف اس لیے کہ انہوں نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا!

اور مچھلی نے یونس علیہ السلام کو (لقمہ بنا کر) ہضم نہیں کیا،

صرف اس لیے کہ وہ اپنی پوری زندگی تسبیح بیان کرنے والوں میں سے تھے!

اور سمندر نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے رستہ نہیں چیرا،

صرف اس لیے کہ انہیں اللہ پر کامل بھروسہ تھا اور ان کا دل اس ایمان سے لبریز تھا

(جب انہوں نے فرمایا تھا)

ہرگز نہیں! بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔

معجزات کا زمانہ ختم نہیں ہوا،

اور اپنے بندوں کے ساتھ اللہ کی نصرت و معیت کبھی نہیں رکتی!

یہ ایک سچا وعدہ ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا،

اور ایک اٹل قانون ہے جو کبھی بدل نہیں سکتا کہ:

جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے!

تم دروازے کی چوکھٹ ہو!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

تم نے اس کہانی (تاریخ) کو اس کی ابتدا سے سنا ہے؛

تم فرعون کے محل میں (حضرت) سارہ علیہا السلام کے ساتھ تھیں،

اور صفا و مروہ کے درمیان (حضرت) ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ دوڑ رہی تھیں،

اور بات یہاں تک پہنچی کہ جہاں (مکہ میں) قبیلہ "جُرہم" آ پہنچا،

اور انہوں نے امِ اسماعیل (حضرت ہاجرہ علیہا السلام) سے ان کے پاس پڑاؤ ڈالنے کی اجازت مانگی۔ اور شاید اب تم یہ سوال کرو: اس کے بعد کیا ہوا؟

اس واقعے پر کئی طویل سال بیت گئے۔

اس دوران حضرت اسماعیل علیہ السلام قبیلہ جرہم کی گود میں جوان ہوئے،

اور انہوں نے ان سے عربی زبان سیکھی،

اور انہی میں سے ایک خاتون سے شادی بھی کر لی،

اور (اس دوران) امِ اسماعیل (حضرت ہاجرہ علیہا السلام) وفات پا گئیں۔

پھر ایک دن (حضرت) ابراہیم علیہ السلام (اپنے بیٹے کا) حال دیکھنے کے لیے آئے۔

وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر گئے مگر انہیں وہاں نہ پایا۔

انہوں نے ان کی زوجہ سے ان کے بارے میں پوچھا، تو اس نے کہا: "وہ ہمارے لیے رزق کی تلاش میں نکلے ہیں"۔

پھر ابراہیم علیہ السلام نے ان سے ان کے حالات اور گزر بسر کے بارے میں پوچھا۔

تو اس نے کہا: "ہم بہت برے حال میں ہیں، ہم سخت تنگی اور شدّت (مشقت) میں زندگی گزار رہے ہیں!"

اور وہ ان کے سامنے شکوہ کرنے لگی، حالانکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ (ابراہیم علیہ السلام) کون ہیں!

تب ابراہیم علیہ السلام نے اس سے فرمایا: "جب تمہارا شوہر آئے تو اسے میرا سلام کہنا، اور اس سے کہنا کہ: اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لے!

چنانچہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے، تو انہیں کچھ تبدیلی کا احساس ہوا (جیسے کوئی آیا ہو)۔

پس انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا: "کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں! ہمارے پاس فلاں فلاں اوصاف کے ایک بزرگ آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتادیا،

اور انہوں نے مجھ سے ہماری گزر بسر کے بارے میں پوچھا، تو میں نے انہیں بتادیا کہ ہم تنگی اور سخت مشقت میں ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت (پیغام) فرمائی؟ اس نے کہا: جی ہاں، انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کو سلام کہوں،

اور وہ فرمارہے تھے کہ: اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لو!

تب اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد تھے، اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں؛ پس تم اپنے گھر والوں کے پاس واپس لوٹ جاؤ!

چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایک دوسری خاتون سے شادی کرلی۔

کچھ عرصے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ اپنے بیٹے کی ملاقات کے لیے آئے۔

اس بار بھی انہوں نے انہیں گھر پر نہ پایا، بلکہ ان کی نئی زوجہ موجود تھیں۔

انہوں نے اس سے پوچھا: تمہارا شوہر کہاں ہے؟

اس نے جواب دیا: وہ ہمارے لیے رزق کی تلاش میں نکلے ہیں!

انہوں نے اس سے پوچھا: تم لوگ کس حال میں ہو؟ اور تمہاری گزر بسر کیسی ہے؟

اس نے (نہایت شکر گزاری سے) کہا: ہم بہت اچھے حال اور وسعت میں ہیں! اور اس نے اللہ کی خوب حمد و ثنا بیان کی!

ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: تمہارا کھانا کیا ہے؟

اس نے کہا: گوشت۔

انہوں نے پوچھا: اور تمہارا پینا (مشروب) کیا ہے؟

اس نے کہا: پانی۔

تب انہوں نے دعا فرمائی: اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما!

اس وقت ان کے پاس گوشت اور پانی کے علاوہ کوئی دوسرا کھانا نہ تھا، اگر ان کے پاس کچھ اور ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام اس میں بھی برکت کی دعا فرماتے۔

پھر انہوں نے اس سے فرمایا: جب تمہارا شوہر واپس آئے تو اسے میرا سلام کہنا، اور اس سے کہنا کہ: اپنے دروازے کی چوکھٹ کو برقرار رکھے!

پس جب حضرت اسماعیل علیہ السلام واپس آئے تو انہوں نے (اپنی بیوی سے) پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں! ہمارے پاس ایک خوش شکل (اچھی ہیئت والے) بزرگ آئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتا دیا، اور انہوں نے ہماری گزر بسر کے بارے میں پوچھا تو میں نے انہیں بتا دیا کہ ہم بہت اچھے حال میں ہیں!

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کیا انہوں نے تمہیں کوئی وصیت (پیغام)

فرمائی؟ اس نے کہا: جی ہاں، وہ آپ کو سلام کہتے ہیں

اور آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو برقرار رکھیں!

تب اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: وہ میرے والد تھے، اور تم ہی وہ چوکھٹ ہو؛ اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس روک کر رکھوں (یعنی تمہارے ساتھ نباہ کروں)!

اے صحابیہ

!تم چاہے جتنی بھی حق پر ہو،

اور تمہارا دعویٰ جتنا بھی سچا ہو؛

اسلوب (اندازِ گفتگو) سب سے پہلے ہے!

تم سخت ترین باتیں بھی ایک لطیف اور نرم انداز میں کہہ سکتی ہو۔

اس طرح تم اپنے مقصد کو بھی پالوگی اور کسی کا دل بھی نہیں دکھے گا۔

ذرا دیکھو، تمہارے والد ابراہیم علیہ السلام نے کتنے حسین کنائے (اشارے) کا استعمال کیا! انہوں نے (پہلی بیوی سے) فرمایا تھا: اس سے کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل لے!

وہ اس خاتون سے یہ بھی کہہ سکتے تھے:

میں اس کا باپ ہوں، اور اس سے کہنا کہ وہ تمہیں طلاق دے دے!

اگرچہ نتیجے کے اعتبار سے آخرکار بات ایک ہی تھی،

لیکن یہ انبیاء کا ادب اور ان کا خاص طرزِ کلام ہے!

وہ خوبصورت ترین الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں اور انہیں اپنے افکار کا لباس پہناتے ہیں؛

اور بے شک تمہارے لیے ان کی زندگیوں میں بہترین نمونہ (اسوہ) موجود ہے!

اے صحابیہ!

تم نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا، تو انہوں نے اس عورت کی عفت و آبرو پر کوئی عیب نہیں لگایا، معاذ اللہ!

اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ انبیاء کے گھر کفر سے معصوم (محفوظ) نہیں ہیں،

لیکن وہ زنا سے لازماً معصوم ہیں۔

قرآنِ مجید میں حضرت لوط اور حضرت نوح علیہما السلام کی بیویوں کی جس خیانت کا ذکر آیا ہے،

وہ عقیدے اور کفر کی خیانت تھی، نہ کہ بستر کی خیانت (پاکدامنی کے خلاف)!

لیکن انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے اس خاتون میں جس چیز کو عیب مانا، وہ اس کا کثرت سے شکوہ کرنا اور شکرگزاری کی کمی تھی۔

کیونکہ جو عورت قناعت پسند نہیں ہوتی، وہ ایک ایسے لاعلاج مرض کی طرح ہے جو پوری زندگی کو فاسد (برباد) کر دیتا ہے!

پس اللہ تم پر رحم فرمائے، قناعت اختیار کرو!

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے درمیان رزق کو ایک ایسی حکمت کے تحت تقسیم کیا ہے جسے وہی جانتا ہے۔

اس نے تمہیں اپنی کسی محتاجی (یا خزانوں کی کمی) کی وجہ سے محروم نہیں رکھا،

اور نہ ہی اس نے تمہیں دوسروں کی طرح اس لیے نہیں دیا (کہ وہ عاجز ہے)؛ بلکہ اس لیے کہ یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے۔

اور تمہیں تنگی اور محرومی کے وقت صبر کا حکم دیا گیا ہے،

اور کثرت و عطا کے وقت شکر کا حکم دیا گیا ہے۔

اور ثواب کے اعتبار سے صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا دونوں برابر ہیں؛

کیونکہ دونوں ہی بندگی کے امتحان میں سرخرو ہو چکے ہیں!

اے صحابیہ!

جیسا کہ تم نے دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی فیملی کی روزی روٹی فراہم کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی،

جس کا اعتراف ان کی اس ناراض اور شکوہ کرنے والی بیوی نے بھی ان الفاظ میں کیا تھا: وہ ہمارے لیے رزق کی تلاش میں نکلے ہیں!

لیکن یہ (تنگی) تو وہ رزق تھا جو اللہ نے ان کے مقدر میں لکھ دیا تھا!

پس (اے خاتون) اگر تم رزق کی کمی کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دی جاؤ اور تمہارا شوہر تنگی کا شکار ہو؛

تو تم دنیا کے مقابلے میں اس کا سہارا بنو، نہ کہ دنیا بن کر اس پر مزید بوجھ بن جاؤ!

اے صحابیہ!

ہم سب ایک جیسی آنکھیں تو رکھتے ہیں، لیکن ہم سب کا نظریہ (اور زاویہِ نگاہ) ایک جیسا نہیں ہوتا!

بعض اوقات خرابی سامنے موجود منظر میں نہیں ہوتی،

بلکہ اس آنکھ میں ہوتی ہے جو اسے دیکھ رہی ہوتی ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں بیویوں کے ساتھ ایک ہی حالت میں تھے:

ان کے معاشی حالات بدلے تھے اور نہ ہی ان کے رزق کے ذرائع تبدیل ہوئے تھے۔ ان کے پاس کھانے کے لیے صرف وہی کچھ تھا جو وہ اپنی کمان (تیراندازی) سے شکار کرتے تھے۔

وہ لوگوں میں سب سے بہترین تیرانداز تھے؛

لیکن زندگی کے بارے میں دونوں بیویوں کا نظریہ بالکل مختلف تھا!

پہلی بیوی کثرت سے ناراض ہونے والی اور کم قناعت پسند (شکوہ کرنے والی) تھی،

جبکہ دوسری بیوی کم ناراض ہونے والی اور کثرت سے راضی رہنے والی (شکر گزار) تھی۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ اصل امارت اور غنا وہ ہے جو دل میں ہوتی ہے،

نہ کہ وہ جو جیب میں ہو!

جب بندہ اپنے رب کے ساتھ ادب کا معاملہ کرتا ہے، تو اس پر ہر مصیبت آسان ہو جاتی ہے۔

ایک شخص بیمار ہوتا ہے تو وہ اللہ کے سامنے شکوہ کرنے لگتا ہے اور ناراضگی ظاہر کرتا ہے،

جبکہ دوسرا بیمار ہوتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے، اللہ کی حمد بیان کرتا ہے اور اس سے دعا کرتا ہے۔

بیماری کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں؛

لیکن ان کے دلوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے

جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہوتا ہے!

یہ زندگی بندگی کا ایک امتحان ہے،

پس اے صحابیہ! اس امتحان میں کبھی ناکام مت ہونا!

❁❁❁

ایک منفرد عورت!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

تمہیں یہ پسند ہے کہ تم اپنے نبی اور اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ ان کے اسفار میں رہو۔

تم جانتی ہو کہ آپ ﷺ کے ساتھ سفر کرنا ایک حقیقی لذت اور سرور ہے۔

آپ ﷺ کے رخِ انور کا دیدار راستے کی تمام تھکن بھلا دیتا ہے،

اور آپ ﷺ کی شیریں گفتگو سفر کی ہر مشقت کو دور کر دیتی ہے!

اور دیکھو، اب تم آپ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں ہو؛

نبی کریم ﷺ ایک اعرابی (دیہاتی) کے ہاں مہمان ٹھہرے۔

اس نے آپ ﷺ کی خوب اکرام وتواضع کی اور بہترین میزبانی کا حق ادا کیا۔

اور چونکہ تمہارے نبی اور تمہارے محبوب ﷺ اپنے ساتھ کیے گئے کسی بھی احسان کو کبھی نہیں بھولتے تھے؛

آپ ﷺ نے اس اعرابی سے فرمایا: اے اعرابی! ہمارے پاس (مدینہ) آنا!

میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، آپ ﷺ اس اعرابی کا احسان لوٹانا چاہتے تھے۔

چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ اعرابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

تب نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا:

اے اعرابی! اپنی حاجت مانگو (تمہیں کیا چاہیے؟)

اس نے کہا: ایک اونٹنی مل جائے جس پر میں سواری کروں، اور چند بکریاں مل جائیں جن کا دودھ میرے گھر والے دوہ سکیں!

چونکہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی ظرفی اور بلند امور کو پسند فرماتے تھے؛

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی سے گویا ہلکے سے گلے کے انداز میں فرمایا:

کیا تم اس بات سے عاجز تھے کہ بنی اسرائیل کی اس بوڑھی عورت کی طرح بن جاتے؟ بلاشبہ اس وقت تم پر ایک تجسس کا عالم طاری ہو چکا ہے!

اور تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ بنی اسرائیل کی اس بوڑھی عورت کا کیا قصہ ہے؟

اور یہی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی حال تھا!

وہ فوراً سوال کرنے میں جلدی کرتے تھے:

یارسول اللہ! بنی اسرائیل کی بوڑھی عورت کا کیا معاملہ تھا؟

تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خبر دی کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی قوم کو ایک وصیت فرمائی تھی۔

کہ جب وہ مصر سے نکلیں تو ان کے جسدِ مبارک کو اپنے ساتھ لے جائیں تاکہ انہیں فلسطین میں دفن کیا جائے۔

پھر سال گزرتے گئے، ایک صدی کے بعد دوسری صدی بیت گئی!

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ

اب مصر سے نکلنے کا وقت آ چکا ہے۔

تب بنی اسرائیل نے انہیں ان کے بھائی یوسف علیہ السلام کی اس وصیت کے بارے میں بتایا جو نسل در نسل چلی آ رہی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں پوچھا تاکہ ان کا جسدِ مبارک ساتھ لے جا کر وصیت پوری کر سکیں۔

مگر حیرت انگیز بات یہ سامنے آئی کہ بنی اسرائیل میں سے کسی کو بھی اس قبر کا مقام

معلوم نہ تھا، سوائے بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی عورت کے جس نے یہ بات اپنے اجداد سے سیکھی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے درخواست کی کہ وہ انہیں قبر کا راستہ دکھائے۔

لیکن اس نے اس وقت تک بتانے سے صاف انکار کر دیا جب تک کہ وہ اس سے ایک پختہ وعدہ نہ کر لیں!

اور وہ وعدہ یہ تھا: کہ وہ جنت میں آپ (موسیٰ علیہ السلام) کی رفیق (ساتھی) بنے گی!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو پورا کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی (یا اسے ناپسند کیا)؛ کیونکہ وہ خود تو لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے!

تب اللہ جل جلالہ نے ان کی طرف وحی فرمائی:

آپ اسے وہ سب کچھ عطا کر دیں جو اس نے مانگا ہے!

چنانچہ اس بوڑھی عورت نے ایک جوہڑ (پانی کے تالاب) کی طرف ان کی رہنمائی کی اور کہا:

اس پانی کو خشک کرو، کیونکہ اسی کے نیچے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر ہے!

اور پھر ایسا ہی کیا گیا۔

اے صحابیہ! جب کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے تو اسے کبھی مت بھولنا!

اور اس احسان کو لوٹانے کے لیے ہمیشہ مناسب موقع کی تلاش میں رہنا۔

تمہارے نبی اور تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ یہی معمول رہا تھا۔

ایک اعرابی کی محض ایک عارضی میزبانی کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھلایا نہیں تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اس اعرابی (دیہاتی) سے مطالبہ فرمایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی خاطر مدارت اور اکرام فرما سکیں۔

لوگوں کے احسانات کو یاد رکھو اور وقت کی گردش کا انتظار کرو؛

پس جب تمہاری باری آئے تو اپنے عہد پر قائم رہو!

اور اگر کبھی حالات تمہیں اس بات کی مہلت نہ دیں کہ تم احسان کا بدلہ چکا سکو،

تو کم از کم اتنی اعلیٰ ظرف ضرور بنو کہ اس احسان کا انکار نہ کرو!

احسان کا انکار کرنے والے کی کوئی عزت نہیں کرتا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف میں پتھر مارے گئے

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا،

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ مکہ کے سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہر میں داخل ہونے سے روکنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطعم بن عدی سے پناہ طلب فرمائی۔

مطعم بن عدی اپنے شرک اور کفر کے باوجود ایک انتہائی غیرت مند اور شریف انسان تھا، چنانچہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دے دی۔

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی حفاظت اور امان میں لے کر مکہ میں داخل ہوا۔

مطعم بن عدی اس سے پہلے ہی وفات پا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اس احسان کا بدلہ چکا پاتے۔

لیکن غزوہِ بدر کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے قیدیوں پر نظر ڈالی،

تو فرمایا: اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان گندے (بدبودار) لوگوں کے بارے میں بات کرتا،

تو میں اس کی خاطر ان سب کو (بغیر کسی معاوضے کے) رہا کردیتا!

اے صحابیہ! ذرا اس وفاداری پر غور کرو؛

یہ وہ قوم تھی جو آپ ﷺ سے لڑنے آئی تھی اور اگر انہیں موقع ملتا تو وہ آپ ﷺ کو شہید کر دیتے!

لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ ان سب کو رہا کرنے کے لیے تیار تھے،

اگر وہ شخص آپ ﷺ سے یہ مانگ لیتا جس نے کبھی آپ ﷺ پر احسان کیا تھا!

اے صحابیہ!

وہ رب جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجتا تھا،

اس بات پر قادر تھا کہ انہیں (براہِ راست) حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کا پتہ بتا دیتا۔

اور اس طرح وہ انہیں ایک بوڑھی عورت کے ساتھ اس طویل بحث و تکرار کی مشقت سے بچا لیتا۔

لیکن وہ نہایت مہربان اور رحیم رب جو نیک نیتوں کا بہترین صلہ عطا کرتا ہے،

وہ اس عورت کے دل میں چھپی ہوئی تڑپ اور جنت کے شوق کو خوب جانتا تھا۔

چنانچہ اللہ جل جلالہ نے اپنے رسول پر یہ بات (قبر کا پتہ) خود ظاہر نہ فرمائی،

بلکہ اس کا علم اپنے رسول سے مخفی رکھا

تاکہ اس عورت کے ذریعے انہیں پتہ چلوا کر اسے جنت عطا فرما دے!

پس تم بھی اپنی نیت اور اپنے مقصد میں صرف اللہ کو رکھو!

اس کی رضا اور اس کی جنت کی طلب میں سچی ہو جاؤ!

تو وہ تمہیں یہ سب کچھ آسان ترین راستوں اور معمولی ترین اسباب کے ذریعے عطا فرما دے گا؛

کیونکہ اصل راز صرف اللہ جل جلالہ کے ساتھ سچائی کا ہے!

اور اے صحابیہ! اللہ جل جلالہ سے بڑھ کر کوئی سخی اور کریم نہیں۔ (اسی بات کو سمجھانے

کے لیے ایک اور واقعہ سنو:)

ایک اعرابی (دیہاتی) آیا جسے صحابہ میں سے کوئی نہیں جانتا تھا۔

اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد اور ہجرت کی بیعت کی۔

پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک ایسے غزوے میں شریک ہوا جہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح ونصرت سے نوازا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے درمیان مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔

وہ اعرابی (اس وقت) وہاں موجود نہیں تھا (بلکہ مسلمانوں کے پیچھے ان کے جانور چرا رہا تھا)، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حصہ الگ رکھ دیا۔

جب وہ واپس آیا تو لوگوں نے اسے وہ مال دیتے ہوئے کہا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حصہ تمہارے لیے چھوڑا ہے!

اس نے وہ غنیمت کا مال لیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارا حصہ ہے جو میں نے تمہارے لیے نکالا ہے!

اس نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! میں نے اس مال کے لیے آپ کی بیعت نہیں کی تھی!

بلکہ میں نے تو آپ کی بیعت اس بات پر کی تھی کہ مجھے یہاں ایک تیر مارا جائے

اور اس نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا اور وہ یہاں سے آر پار ہو جائے، تاکہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں!

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اگر تم اللہ کے ساتھ سچے رہو گے، تو وہ بھی تمہارے ساتھ سچائی کا معاملہ فرمائے گا (تمہاری نیت پوری کر دے گا)۔

پھر کچھ ہی عرصے بعد ایک اور غزوہ پیش آیا، وہ اعرابی اس میں شریک ہوا اور اسے (میدانِ جنگ سے) اس حال میں لایا گیا کہ وہ شہید ہو چکا تھا اور ایک تیر ٹھیک اسی جگہ پیوست تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا!

نبی کریم ﷺ نے (حیرت اور تشکر سے) پوچھا: کیا یہ وہی شخص ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول!

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے اللہ کے ساتھ سچائی دکھائی، تو اللہ نے بھی اس کی سچائی کو سچ کر دکھایا!

اے صحابیہ!

اپنے ارادوں کو بلند رکھو اور مواقع کا فائدہ اٹھانا سیکھو!

اس اعرابی کی طرح بنو جس کے سامنے جب ایک سنہرا موقع آیا

جس سے وہ دنیا کا کوئی بھی فائدہ حاصل کر سکتا تھا

تو اس نے ایک فانی دنیا کی فانی چیز مانگنے کے بجائے (جنت کا سودا کیا)!

یہ بات بالکل سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے مانگا جائے؛

جیسا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی تھی:

اے موسیٰ! مجھ سے اپنے جانور کا چارہ، اپنے آٹے کا نمک اور اپنے جوتے کا تسمہ تک مانگو! لیکن اصل نکتہ یہ ہے کہ تم اپنے دل کو جنت کی طلب کے ساتھ جوڑ کر رکھو!

ہر وہ چیز جو تمہارے اور جنت کے درمیان رکاوٹ بن جائے، اسے چھوڑ دو!

اور ہر وہ چیز جو تمہیں جنت سے دور کر دے، اسے الوداع کہہ دو، اس پر افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؛ اور اللہ سے اس کے بہترین نعم البدل کی امید رکھو!

اے صحابیہ!

ہر اس چیز کے بارے میں سوال کرو جسے تم نہیں جانتیں،
اس میں کبھی کوئی عیب یا شرم کی بات نہیں!
اصل عیب یہ ہے کہ انسان خود کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا علامہ (سب کچھ جاننے والا) سمجھ بیٹھے۔
ذرا دیکھو، یہ اللہ کے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں،
وہ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کا پتہ پوچھ رہے ہیں کیونکہ وہ اس کے مقام سے واقف نہیں تھے۔
کوئی بھی شخص ماں کے پیٹ سے سیکھ کر پیدا نہیں ہوتا!
ہم بہت سی چیزوں سے ناواقف ہوتے ہیں،
پس تم (سیکھو اور) پورے شرحِ صدر اور یقین کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو۔
اپنے دین کے معاملات کے بارے میں سوال کرو تاکہ تم علم و بصیرت کے ساتھ اللہ کی بندگی کر سکو!
مطالعہ کرو، خود کو باصلاحیت بناؤ، اور علم و معرفت میں مسلسل اضافہ کرتی رہو؛
کیونکہ معرفت ہی اصل طاقت ہے!

❁❁❁

اونچی ایڑی والی خاتون!

تم بھی ایک صحابیہ ہو!

تمہیں گذشتہ امتوں کی خواتین کے حالات وواقعات بہت اچھے لگتے ہیں،

اور دیکھو آج تمہاری ملاقات ایک ایسی ہی سچی خبر سے ہونے جارہی ہے۔

اور یہ تمہارے نبی اور تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو تم سے فرمارہے ہیں:

بنی اسرائیل میں ایک چھوٹے قد کی عورت تھی،

وہ دو لمبی قامت والی عورتوں کے ساتھ چلا کرتی تھی۔

چنانچہ (قد اونچا دکھانے کے لیے) اس نے لکڑی کے دو پائے (پاؤں) بنوا لیے،

اور سونے کی ایک ایسی انگوٹھی تیار کروائی جو اوپر سے بند ہو جاتی تھی۔

پھر اس نے اس انگوٹھی کے اندر کستوری بھر دی جو کہ سب سے بہترین خوشبو ہے؛

اور جب وہ کسی مجلس کے پاس سے گزرتی تو اسے (انگوٹھی کو) جھٹک دیتی، جس سے خوشبو پھوٹ پڑتی تھی!

اے صحابیہ!

مجھ سے وہ حقائق سنو جن میں کوئی شک وشبہ نہیں،

اور پھر آؤ میں تمہیں اس دین کی خوبصورتی اور اس کی عظمت دکھاتا ہوں:

عورت تین اسباب کی وجہ سے زینت اور بننا سنورنا پسند کرتی ہے:

پہلا سبب: کیونکہ وہ خود کو خوبصورت دیکھنا پسند کرتی ہے۔

دوسرا سبب: کیونکہ اس کی جبلت میں یہ خواہش رکھی گئی ہے کہ لوگ اس کی طرف راغب ہوں۔

تیسرا سبب: کیونکہ وہ مرد کی طرف میلان رکھتی ہے، جو کہ اس کی طرف سب سے زیادہ مائل ہونے والی مخلوق ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ خود کو خوبصورت دیکھنا پسند کرتی ہے،

تو یہ چیز فضائل کے باب میں شمار ہوتی ہے؛

کیونکہ اللہ تعالیٰ خود جمیل (خوبصورت) ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔

اور بے شک وہ پاک ذات (اللہ) اس بات کو پسند فرماتی ہے کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے!

رہی یہ بات کہ عورت میں یہ جبلت ہے کہ اس کی طرف راغب ہوا جائے،

تو یہ نوعِ انسانی کے تسلسل اور زمین کی آبادی و رونق کے لیے اللہ تعالیٰ کی گہری حکمت ہے۔

اگر یہ جبلت نہ ہوتی تو کوئی عورت کبھی نہ سنورتی اور نہ ہی کسی مرد کی طرف مائل ہوتی؛

اور تب نہ تو یہ خلافتِ ارضی کا مقصد پورا ہوتا اور نہ ہی وہ آبادی و تمدن قائم ہو پاتا!

اور رہی یہ بات کہ وہ مرد کی طرف مائل ہوتی ہے، بلکہ مرد اس کی طرف اس سے بھی زیادہ مائل ہوتا ہے،

تو یہ معاملہ اصلِ خلقت (پیدائش کی حقیقت) کی طرف لوٹتا ہے!

کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حوا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا ہے۔

پس آدم حوا کے لیے اس "کل" (پورا وجود) کی مانند ہیں جس سے وہ نکل کر آئی ہیں،

جبکہ حوا آدم کے لیے اس "جز" (ٹکڑے) کی طرح ہیں جو ان سے لیا گیا تھا۔

اور جز کا اپنے کل کے ساتھ تعلق، کل کے اپنے جز کے ساتھ تعلق سے کہیں زیادہ مضبوط اور گہرا ہوتا ہے!

بے شک ٹہنی کا تعلق پورے درخت کے ساتھ ہوتا ہے،
جبکہ پورا درخت کسی ایک ٹہنی کا محتاج نہیں ہوتا!
لیکن اللہ جل جلالہ نے (عورت کی عزتِ نفس کی خاطر) اس فطری میلان کو ناز و انداز، حیا اور خودداری کے پردے میں چھپا دیا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ تم عورت کو اپنے رویے میں بظاہر بے نیاز پاؤ گے،
حالانکہ وہ اندر سے انتہائی شدید میلان (محبت کی طلب) رکھتی ہے!

اے صحابیہ!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس (بنی اسرائیل کی) عورت کا تذکرہ اس کی مذمت کے سیاق میں فرمایا ہے۔
لیکن یہ مذمت اس کے بناؤ سنگھار، خوشبو اور انگوٹھی پہننے کی وجہ سے نہیں ہے؛
کیونکہ یہ چیزیں تو وہ فطرت اور جبلت کے تحت پسند کرتی ہے۔
بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مذمت اس لیے فرمائی کہ اس نے یہ تمام زینت اور وہ خوشبو غیر مردوں (نامحرموں) کے سامنے ظاہر کی تھیں!
بے شک نسوانیت مردوں کے دلوں پر وہی اثر کرتی ہے جو اثر آگ لکڑیوں پر کرتی ہے!
اسی لیے شارع حکیم (اللہ تعالیٰ) نے عورت کو اپنی زینت ظاہر نہ کرنے کا حکم دیا ہے؛
کیونکہ اسلام صرف (فتنے کی) آگ لگنے کے بعد اسے بجھانے کی کوشش نہیں کرتا،
بلکہ وہ بنیادی طور پر آگ لگنے کے اسباب کا ہی سرِ معذرت سدِ باب کر دیتا ہے!
پس کسی مشکل میں پڑنے سے پہلے ہی اس سے بچ جانا اس بات سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ انسان اس مشکل میں پڑنے کے بعد اس کے حل کی مشقت اٹھائے۔
اور شریعت کے عظیم ابواب میں سے یہ ایک مستقل باب ہے

جسے "سدِ ذرائع" (فتنے کے راستوں کو بند کرنا) کہا جاتا ہے!

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے والدین (آدم وحوا علیہما السلام) کو جنت میں بسایا،

تو ان دونوں سے فرمایا: اور تم اس درخت کے قریب مت جانا؛

حالانکہ اصل ممانعت صرف اس درخت کا پھل کھانے سے تھی۔

لیکن درخت کے قریب جانا ان میں اس پھل کو کھانے کی رغبت وحرص پیدا کر دیتا۔

اسی طرح اللہ جل جلالہ نے یہ نہیں فرمایا کہ: اور تم زنا مت کرو،

بلکہ فرمایا: اور تم زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔

پس شریعت نے ہر اس چیز سے منع فرما دیا جو اس گناہ میں پڑنے کو آسان بنا دیتی ہے۔

چنانچہ بلا ضرورت (مرد وزن کا) اختلاط،

اور غیر موزوں جگہوں (نامحرموں کے سامنے) بناؤ سنگھار کا اظہار،

اور (غیر مردوں سے) لمبی لمبی گفتگو،

اور بے تکلف بات چیت وہنسی مذاق، اور مصافحہ کرنا،

اور (نامحرم کو) راز دار دوست یا سہیلی بنانا؛

یہ تمام امور زنا کے دروازے کو چوپٹ کھول دیتے ہیں۔

حالانکہ اسلام ہر اس راستے کو بند کر دیتا ہے جو حرام کی طرف لے جاتا ہو!

اے صحابیہ!

اسلام تمہارے خوبصورت بننے کے خلاف نہیں ہے،

بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ یہ خوبصورتی کس کے لیے ہے اور کس کی آنکھوں کے لیے ہے؟

اور اسلام اس بات کے بھی خلاف نہیں ہے کہ تم ناز و انداز اور غنج ودلال (لاڈ چاؤ)

رکھنے والی ایک نرم خو عورت بنو،

بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ یہ نرمی کس کے لیے ہے اور یہ لاڈ چاؤ کس کے سامنے ہے؟
اور اسلام اس کے بھی خلاف نہیں ہے کہ تم مرد کی طرف میلان رکھو،
بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ کیا یہ میلان شرعی اور حلال راستے سے ہے یا نہیں؟
یاد رکھو! راستے (بازار اور نامحرموں کے سامنے) کی زینت گناہ ہے،
جبکہ گھر کے اندر کی زینت پر اجر وثواب ہے!
اور بے جا ناز و انداز اور لاڈ چاؤ اگر اس کے لیے ہو جو اس کا حقدار نہیں، تو یہ گناہ ہے،
جبکہ شوہر کے لیے ناز و انداز اٹھانے پر اجر ملتا ہے!
اسلام فطرت یا جبلت کے خلاف جنگ نہیں کرتا،
بلکہ وہ اس فطرت کو اس کی صحیح اور مناسب جگہ پر رکھتا ہے!
اور اس جبلت کو حلال کے دائرے میں استعمال کرنے کا راستہ دیتا ہے۔
پس اس معنی میں شریعت کی یہ ممانعت کوئی مطلق ممانعت نہیں ہے،
بلکہ یہ ایک رخ دینے والی اور مقصد کے تحت کی گئی ممانعت ہے؛
جس کا پہلا مقصد خود تمہاری حفاظت کرنا ہے!
اور دوسرا مقصد تمہاری وجہ سے دوسروں کو فتنے سے بچانا ہے!
ذرا اس معاملے کو اس پہلو اور زاویے سے دیکھو!

اے صحابیہ!

اس قصے میں لکڑی کے جن دو پاؤں (پایوں) کا ذکر آیا ہے،
وہی آج کے دور کی "اونچی ایڑی" (High Heels) ہیں!
اور خوشبو سے بھری ہوئی وہ انگوٹھی جس سے عطر پھوٹتا تھا،
وہ بعینہٖ وہی عطر ہے جس میں آج کے کپڑے ڈوبے ہوتے ہیں!

فتنے اور گمراہی کی قسمیں اور اس کی صورتیں تو بدل گئی ہیں،

مگر نتیجہ آج بھی ایک ہی ہے!

اسلام کاسمیٹکس (میک اپ کے سامان) کے خلاف نہیں ہے،

اور نہ ہی کاجل کی پنسلوں اور عطر وخوشبو کے خلاف ہے۔

یہ چیزیں بذاتِ خود حرام یا حلال نہیں ہیں، بلکہ ان کی حرمت اور حلت کا دارومدار ان کے استعمال کے طریقے پر ہے!

ہر وہ خوشبو جو اپنی صحیح جگہ (گھر اور شوہر کے سامنے) استعمال ہو، اس پر اجر ہے؛

اور ہر وہ کاجل یا میک اپ جو غلط جگہ (نامحرموں کے سامنے) ہو، وہ گناہ کا سبب ہے!

اسلام کبھی تمہاری نسوانیت کے خلاف نہیں رہا،

بلکہ وہ اس بات کے خلاف ہے کہ تمہاری یہ نسوانیت عام اور سب کے لیے دستیاب (مشاع) بن جائے!

اور اسلام تمہارے لاڈ چاؤ اور ناز و انداز کے خلاف نہیں ہے،

بلکہ وہ اس بات کے خلاف ہے کہ تم ہر ایک کے لیے آسان اور سہل الوصول بن جاؤ،

یا دوسروں کو یہ تاثر دو کہ تم ایسی ہو!

بے شک اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین (مومنوں کی ماؤں) رضی اللہ عنہن کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

پس تم گفتگو میں نرمی اختیار نہ کرو کہ وہ شخص طمع کرنے لگے جس کے دل میں (نفاق یا شہوت کا) مرض ہے۔

اللہ جل جلالہ نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو جو کہ دنیا کی سب سے شریف اور پاکیزہ خواتین ہیں اس بات سے منع فرمایا کہ

وہ اپنی آوازوں کو نرم کریں یا زنانہ لہجے میں بات کریں؛

حالانکہ ان کے سامنے بات کرنے والے اس روئے زمین کے سب سے بہترین مرد یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے!

یہ اس لیے تاکہ کوئی شخص اپنے دل میں کوئی خام خیال یا تمنا نہ پال لے۔

پس شریعت کی یہ ممانعت کوئی بدگمانی پر مبنی ممانعت نہیں ہے،

بلکہ یہ تحفظ فراہم کرنے اور فتنے کے راستوں کو بند کرنے (سدِ ذرائع) کے لیے ہے!

پس تم ایسی آگ مت سلگاؤ جس میں سب سے پہلے تم خود ہی جھلس جاؤ!

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جو چیز ہر ایک کے لیے ہر وقت دستیاب (عام) ہو جائے، وہ اپنی قدر کھو دیتی ہے اور کراہت کا سبب بنتی ہے!

اور ** عُلَیّہ بنتِ مہدی ** نے کیا ہی خوب کہا تھا جب انہوں نے فرمایا:

ہم اپنے مردوں (شوہروں) کے سامنے تو سراپا عورت (ناز و انداز والی) ہیں، لیکن غیر مردوں کے سامنے مردوں کی طرح (سخت اور بے لچک) ہیں!

اپنے تیروں کی نوکیں تھام لو!

تم بھی ایک صحابیہ ہو!

تم مسجد میں آنا پسند کرتی ہو جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں۔
آخر ایسا کون ہوگا جو وہاں ہونا پسند نہ کرے جہاں اس کا محبوب ہو؟!
ایک بار مسجد میں ایک شخص گزرا جس کے پاس تیر تھے۔
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اس کی نوکوں کو تھام لو!
اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن (عام ہدایت دیتے ہوئے) فرمایا:
جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد یا ہمارے بازار سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہوں، تو اسے چاہیے کہ وہ ان کی نوکوں کو پکڑ لے،
اور اپنی ہتھیلی سے انہیں ڈھانپ لے تاکہ مسلمانوں میں سے کسی کو ان سے کوئی (تکلیف یا) چوٹ نہ پہنچے!

اے صحابیہ!

تمہارے نبی اور تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کے شدید حریص (خواہشمند) تھے کہ مسلمانوں میں سے کسی کو بھی ذرہ برابر کوئی تکلیف نہ پہنچے،
چاہے وہ تکلیف غیر ارادی طور پر ہی کیوں نہ ہو!
اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد سے گزرنے والے اس شخص کو اپنے تیروں کی نوکیں چھپانے کا حکم دیا۔
یاد رکھو کہ "نوک" یا دھار صرف نیزوں اور تیروں ہی تک محدود نہیں ہے؛
بلکہ زبان کی بھی اپنی ایک کاٹ دار نوک ہوتی ہے!

اور یہ زبان لوگوں کے دلوں میں ایسے گہرے زخم لگا دیتی ہے

جو نیزوں اور تیروں کے زخموں سے کہیں زیادہ گہرے ہوتے ہیں!

کیونکہ نیزوں اور تیروں کے زخم تو جلد ہی بھر جاتے ہیں،

مگر زبان کے زخم کبھی نہیں بھرتے!

وہ (زبان کے زخم) دل میں مسلسل درد کی کسک چھوڑ جاتے ہیں،

پس تم اپنے تیروں کی نوکیں تھام لو!

اے صحابیہ!

ہمارے اس دور میں لوگ جس بدترین بلا اور آزمائش میں مبتلا ہیں،

وہ یہ ہے کہ انھوں نے "صراحت" (سچی بات کہنے) اور "وقاحت" (بدتمیزی/ بے حسی) کے درمیان فرق کو خلط ملط کر دیا ہے!

صراحت تو یہ ہے کہ جب تمھاری کوئی سہیلی کوئی غلطی کرے،

تو تم محبت اور خیر خواہی کے جذبے سے تنہائی میں اسے اس کی غلطی بتاؤ،

تاکہ وہ ضد اور انا کا شکار ہو کر گناہ پر نہ اڑ جائے!

صراحت تو یہ ہے کہ جب تم کسی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو اور اس کے گوشت کو (غیبت کے ذریعے) نوچے جانے سے بچانے کے لیے اس کا دفاع کرو!

صراحت تو یہ ہے کہ جب تم نصیحت کو انتہائی نرمی اور مروت کے ساتھ ایک خوبصورت تھال میں سجا کر پیش کرو،

جو خاص طور پر اللہ کے لیے اور اللہ کی خاطر ہو!

لیکن اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ سراسر بدتمیزی اور وقاحت ہے!

جی ہاں، وہ بدتمیزی ہی ہے چاہے وہ کتنی ہی بڑی حقیقت کیوں نہ ہو!

جب تم کسی بدصورت خاتون کو (سیدھے منہ پر) یہ کہتی ہو کہ وہ بدصورت ہے،
تو یہ بدتمیزی ہے، چاہے تمہاری بات بالکل سچ ہی کیوں نہ ہو!
جب تم کسی خوش نظر آنے والی خاتون کو اس کے لباس کے بارے میں یہ کہتی ہو کہ یہ مضحکہ خیز اور فیشن کے خلاف ہے، تو یہ بدتمیزی ہے، چاہے تمہاری بات کتنی ہی سچی کیوں نہ ہو!
جب تم لوگوں کے سامنے کسی دوسری خاتون کے بالوں کے اسٹائل پر تنقید کرتی ہو اور اس کا دل دکھاتی ہو،
تو یہ بدتمیزی ہے، چاہے واقعی اس کے بالوں کا اسٹائل مضحکہ خیز ہی کیوں نہ ہو!
ہر سچائی زبان پر لانے کے لیے نہیں ہوتی!
آخر تمہیں کس نے یہ حق دیا ہے کہ تم سچائی کا نام لے کر لوگوں کو اپنے کڑوے حقائق سے پامال کرتی پھرو؟!
دل جوئی اور دلوں کو جوڑنا حقیقت بیانی سے زیادہ اہم ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ نہ ہو!
اور مروت و پاسِ خاطر رکھنا سچائی سے زیادہ ضروری ہے، بشرطیکہ وہ کسی حرام کام کا سبب نہ بنے!
پس تم کبھی بھی دلوں کو زخمی کرنے والی مت بنو!

اے صحابیہ!

تم زبان سے کوئی ایک ایسا لفظ کہہ دیتی ہو جس کی گہرائی کا تمہیں اندازہ بھی نہیں ہوتا،
اور نہ ہی سننے والے کے دل پر اس کے اثرات کا تمہیں علم ہوتا ہے؛
تم تو وہ بات کہہ کر بھول جاتی ہو، مگر وہ (دوسری خاتون) اس ایک کڑوے لفظ کی

وجہ سے رات بھر سو نہیں پاتی!

جب تم لوگوں کے گھروں میں جاؤ تو اندھی بن کر داخل ہو اور وہاں سے گونگی بن کر نکلو!

تمہیں اس بات سے کیا سروکار کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی غربت اور اس کے مزاج کے باوجود اس کے ساتھ کیسے صبر سے نباہ کر رہی ہے؟

تم کیوں (ایسے سوالات اٹھا کر) گھروں کو برباد کرتی ہو اور باہمی محبت میں دراڑیں ڈالتی ہو؟

بے شک لوگ بڑی مشکل سے اپنے حالات کو جھیل رہے ہیں اور عافیت کا بھرم رکھے ہوئے ہیں،

اور ہر انسان کو اپنے حصے کے دکھ اور فکریں کافی ہیں!

پس تم لوگوں کے لیے دنیا کی تلخیوں کے ساتھ ایک اور تلخی مت بنو!

اگر تمہارے پاس کوئی میٹھا اور تسلی بخش لفظ ہے تو اسے کہہ دو، اللہ تمہاری زبان میں برکت دے گا؛

اور اگر تمہارے پاس کہنے کو کوئی اچھی بات نہیں ہے تو خاموش رہو، اللہ تمہاری اس خاموشی میں برکت فرمائے گا!

تمہیں اس وجہ سے کیا غرض کہ

تمہاری پڑوسن ہر تقریب کے لیے نیا لباس کیوں نہیں خریدتی؟

تمہیں کس نے کہہ دیا کہ وہ نیا لباس پہننے کی خواہش نہیں رکھتی؟

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ گھروں کے اپنے پوشیدہ اسرار ہوتے ہیں، اور اللہ ہمیشہ اس بندے کی مدد میں رہتا ہے جو لوگوں کے کام آئے۔

تمہیں اس بات سے کیا لینا دینا کہ تمہاری سہیلی

اپنے پرانے فرنیچر پر کیوں گزارا کر رہی ہے اور اسے تبدیل کیوں نہیں کرتی؟

کیا دنیا کے تمام لوگ ان چیزوں کی استطاعت رکھتے ہیں جن کی تم طاقت رکھتی ہو؟

کیا سب لوگوں کے پاس تمہارے جیسی صلاحیتیں اور تمہارے جیسا مال ہے؟

لوگ محرومی کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں!

اور کوئی ایسا انسان نہیں جو اپنی مفقود (کھوئی ہوئی) اور ناقابلِ رسائی چیزوں پر تڑپتا اور عذاب نہ جھیلتا ہو؛

تو پھر تم لوگوں کے زخموں پر نمک کیوں چھڑکتی ہو؟

اے صحابیہ!

تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو،

اسے چاہیے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے!

بس یہی مختصر سا فارمولا (مساوات) ہے:

یا تو خوبصورت کلام، یا پھر خوبصورت خاموشی!

گفتگو ایک نفاست (سلیقہ) ہے!

ایک ایسی نفاست جو خوبصورت لباس سے بڑھ کر ہے۔

ایک ایسی نفاست جو زیبائش و آرائش (میک اپ) کے سامان سے بڑھ کر ہے۔

ایک ایسی نفاست جو عطر اور زیورات سے بڑھ کر ہے۔

پس تم (اپنے کلام میں) نفیس بنو!

عبارتیں ہمیشہ خوبصورت ترین چنو، خواہ موضوع کچھ بھی ہو؛

بری چیزوں کو بھی اچھے اسلوب میں بیان کیا جا سکتا ہے،

جیسا کہ اچھی چیزیں بھی برے اسلوب کی وجہ سے برباد ہو جاتی ہیں! (اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ قصہ سنو:)

ایک بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ

اس کے سامنے اس کے تمام دانت ٹوٹ کر گر گئے ہیں اور وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔

اس نے اپنے کارندوں سے مطالبہ کیا کہ وہ کسی ایسے شخص کو حاضر کریں جو اس کے خواب کی تعبیر بتا سکے۔

جب خواب کی تعبیر بتانے والے (معبِّر) نے بادشاہ کا خواب سنا۔

تو اس (پہلے معبّر) نے بادشاہ سے کہا:

آپ کے تمام اہل خانہ آپ کے سامنے ایک ایک کر کے مر جائیں گے!

بادشاہ اس تعبیر کرنے والے کی بات پر شدید غصے میں آ گیا اور اسے قید کرنے کا حکم دے دیا! پھر اس نے اپنے مددگاروں سے کہا کہ وہ کسی دوسرے تعبیر کرنے والے کو لے کر آئیں۔

جب دوسرا معبِّر آیا اور اس نے بادشاہ کا خواب سنا،

تو اس نے بھی بادشاہ سے کہا: بے شک آپ کے تمام اہل خانہ آپ کے سامنے ایک ایک کر کے مر جائیں گے!

بادشاہ پھر غصے میں آ گیا اور اس نے دوسرے معبِّر کو بھی جیل میں ڈالنے کا حکم دے دیا!

پھر اس نے اپنے مددگاروں سے کہا کہ وہ کسی اور نئے تعبیر کرنے والے کو حاضر کریں۔

اور جب تیسرا معبِّر آیا اور اس نے بادشاہ کا خواب سنا،

تو اس نے کہا: اے بادشاہ سلامت! آپ کے لیے کتنا خوبصورت خواب ہے، آپ اپنے تمام اہل خانہ میں سب سے لمبی عمر پائیں گے!

بادشاہ اس تعبیر کو سن کر نہایت خوش ہوا اور اس نے معبِّر کو انعام و اکرام دینے کا حکم

دے دیا!

(غور کرو) حقیقت میں یہ تعبیر بھی بالکل وہی تھی اور اس میں کچھ بھی نیا نہ تھا،

کیونکہ جب بادشاہ خاندان میں سب سے طویل عمر پانے والا شخص ہوگا،

تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ باقی تمام لوگ اس سے پہلے ہی مریں گے!

اصل تعبیر میں کوئی فرق نہیں تھا، بلکہ صرف بیان کرنے کا اسلوب مختلف تھا!

پس تم بھی اپنے اسالیبِ گفتگو کا نہایت عمدگی سے چناؤ کرو!

بیماری کے باوجود پردہ داری!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

اور تم اپنی صحابیات بہنوں کے حالات واخبار جاننا پسند کرتی ہو۔

آج تم انہی میں سے ایک عظیم خاتون کے ساتھ ہو!

ذرا میرے ساتھ مل کر اس واقعے کو جیو، اور اس منظر پر غور کرو:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے شاگرد عطاء بن ابی رباح سے فرمایا:

کیا میں تمہیں جنت کی ایک عورت نہ دکھاؤں؟

عطاء نے عرض کیا: کیوں نہیں! (ضرور دکھائیں)

تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

یہ وہ (سیاہ فام) عورت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے، اور (اس حالت میں) میرا پردہ کھل جاتا ہے، پس آپ میرے لیے اللہ سے دعا فرما دیجیے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا:

اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہارے لیے جنت ہے،

اور اگر تم چاہو تو میں اللہ سے دعا کر دیتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا دے دے!

اس خاتون نے (نہایت استقامت سے) عرض کیا: بلکہ میں صبر کروں گی، لیکن (میری دعا یہ ہے کہ) میرا پردہ نہ کھلے،

پس آپ اللہ جل جلالہ سے دعا فرما دیں کہ میرا پردہ فاش نہ ہو!

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرما دی!

اے صحابیہ!

تمہاری یہ بہن مرگی کی بیماری میں مبتلا تھی۔

جب اسے مرگی کا دورہ پڑتا، تو وہ زمین پر گر جاتی تھی۔

اس بے ہوشی اور غفلت کے لمحے میں اس کے سر سے حجاب (دوپٹہ) ہٹ جاتا تھا اور اس کے جسم کا کچھ حصہ ظاہر ہو جاتا تھا۔

پس وہ دلوں اور جسموں کے طبیب ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تاکہ آپ ﷺ سے شکایت (فریاد) کرے

پس آپ ﷺ نے اسے یہ اختیار دیا کہ یا تو وہ اس کے حق میں شفا کی دعا فرمائیں، یا وہ صبر کرے اور اس کے صبر کا بدلہ جنت ہو!

اور چونکہ اس صحابیہ کی نظر میں جنت سے بڑھ کر قیمتی کوئی چیز نہ تھی؛

اس لیے اس نے شفا کے مقابلے میں بیماری کو ہی چن لیا!

لیکن اس پر یہ بات نہایت گراں (بھاری) گزرتی تھی کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر ہو، باوجود اس کے کہ (بے ہوشی کی حالت میں ہونے کی وجہ سے) اس پر کوئی گرفت یا مؤاخذہ نہیں تھا، اور یہ معاملہ اس کے اپنے بس سے باہر تھا!

مگر بات یہ ہے کہ جو محفوظ موتی ہوتی ہے، اس کے لیے اپنی عفت و ناموس کا سودا کرنا آسان نہیں ہوتا!

اے صحابیہ!

خبردار! پردے کے معاملے میں کبھی کوتاہی نہ کرنا۔

خبردار! کبھی دیکھنے والوں کے سامنے اپنے بال نمایاں نہ کرنا۔

ایسی عام چیز نہ بن جانا جسے مرد اپنی نظروں سے نوچتے پھریں،

اپنی خودی کو اتنا سستا نہ کرنا کہ تم اللہ کی نظروں میں گر جاؤ!

اور حجابِ تبرج (دکھاوے اور فیشن کے پردے) سے بچنا!

وہ ایسا حجاب ہوتا ہے جس میں پردے سے زیادہ بے پردگی اور نمائش ہوتی ہے!

حجاب صرف سر کو ڈھانپنے کا نام نہیں ہے،

اور نہ ہی حجاب وہ کپڑا ہے جس کو پہننے کے بعد بھی باپردہ اور بے پردہ عورت میں کوئی فرق باقی نہ رہے!

(یعنی وہ محض) سر کو ڈھانپنے والا کپڑے کا ایک ٹکڑا نہیں ہے!

اگر لباس تمہارے جسم کے اعضاء کو نمایاں (چست) کر رہا ہو، تو محض سر کا ڈھانپنا حجاب نہیں کہلاتا!

حجاب تو پورے جسم کو چھپانے والے ایسے لباس کا نام ہے جو نہ تو جسم کے حجم کو ظاہر کرے (چست ہو) اور نہ ہی باریک (شفاف) ہو،

رہا معاملہ گردن، کلائیوں اور پنڈلیوں کو کھلا چھوڑ دینے کا؛ تو یہ فیشن کا حجاب تو ہو سکتا ہے، دین اور شریعت کا حجاب ہرگز نہیں!

اے صحابیہ!

تمہاری صحابیات بہنوں پر یہ بات نہایت شاق (بھاری) گزرتی تھی کہ ان کے قدم (پاؤں) بھی ظاہر ہوں!

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

جس نے تکبر کے طور پر اپنا لباس (تہبند یا شلوار وغیرہ) نیچے گھسیٹا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا!

تب (ام المومنین) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہوئیں اور عرض کیا:

تو پھر عورتیں اپنے لباس کے دامن کا کیا کریں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک بالشت لٹکا لیا کریں!

انہوں نے عرض کیا: تب تو ان کے پاؤں ننگے ہو جائیں گے!

آپ ﷺ نے فرمایا: تو وہ ایک ہاتھ لٹکا لیا کریں اور اس سے زیادہ نہ بڑھائیں!

سبحان اللہ! پردے اور حیاء کا کیا ہی عالم تھا، اے ام سلمہ!

نبی کریم ﷺ ان سے فرما رہے ہیں: اپنے لباس کو ایک بالشت نیچا کر لو!

تو وہ جواب میں آپ ﷺ کو بتاتی ہیں کہ یہ (پاؤں چھپانے کے لیے) کافی نہیں ہے اور اس طرح قدم کھل جائیں گے!

چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اور ان کی بہنوں کو اپنے لباس میں ایک ہاتھ کا اضافہ کرنے کا حکم فرما دیا۔

ایسی تھیں تمہاری بہنیں! جو پردہ داری کے معاملے میں بحث کرتی تھیں، نہ کہ بے پردگی اور عریانی کے معاملے میں!

ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ پردے میں مزید اضافے کی کوئی رخصت مل جائے،

اور ان پر یہ بات گراں گزرتی تھی کہ ان کا پاؤں بھی نظر آئے۔

اے صحابیہ!

انصار کی ایک خاتون کہتی ہیں: میں (ام المومنین) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی،

اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ دکھائی دے رہا تھا۔

(ماتحت ہونے کے احساس اور حیاء کی وجہ سے) میں نے اپنی قمیص کی آستین سے خود کو ڈھانپ لیا!

تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بات ارشاد فرمائی جو میں سمجھ نہ سکی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے، تو میں نے پوچھا: اے ام المومنین! میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غصے کی حالت میں کیوں دیکھا؟

انہوں نے (ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے) جواب دیا: ہاں، کیا تم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا؟

میں نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا؟

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب زمین پر برائی پھیل جائے، اور اسے روکا نہ جائے،

تو اللہ عز وجل اہلِ زمین پر اپنا عذاب نازل فرما دیتا ہے!

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ان میں صالح (نیک) لوگ بھی ہوں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، ان میں نیک لوگ بھی ہوں گے، وہ بھی اسی مصیبت کا شکار ہوں گے جو عام لوگوں پر آئے گی،

پھر اللہ عز وجل انہیں اپنی مغفرت اور رحمت کی طرف اٹھا لے گا!

اور اس قصے میں اصل قابلِ غور بات (شاہد) یہ ہے کہ اس خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخل ہوتے ہی اپنی آستین سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا!

ذرا میرے ساتھ مل کر اس منظر کا تصور کرو!

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پردہ کر رہی ہیں جو روئے زمین پر سب سے پاکیزہ انسان ہیں!

اور وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہیں!

جب وہاں یہ حال تھا تو تمہیں تو عام لوگوں سے پردے کا اس سے کہیں زیادہ حکم ہے!

اے صحابیہ!

(حضرت) حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابی بکر اپنی پھوپھی (ام المومنین) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حفصہ نے ایک ایسا باریک دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا جس میں سے ان کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھیں اور انہوں نے حفصہ کا وہ باریک دوپٹہ پھاڑ دیا!

اور ان سے فرمایا: کیا تم نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں کیا نازل فرمایا ہے؟

پھر انہوں نے حفصہ کو ایک موٹا دوپٹہ عطا فرمایا!

ذرا سوچو، اگر آج حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجودہ دور کا حجاب دیکھ لیتیں تو کیا کرتیں؟

پس اللہ سے ڈرو اے صحابیہ!

اے صحابیہ

جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اس بیماری میں مبتلا ہوئیں جس میں ان کا انتقال ہوا،

تو (حضرت) اسماء بنت عمیس (ام جعفر) رضی اللہ عنہا ان کی عیادت کے لیے آئیں، جو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والی خواتین میں شامل ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: اے ام جعفر! مجھے وہ طریقہ نہایت برا لگتا ہے

جو (انتقال کے بعد) عورت کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے۔

جب وہ مر جاتی ہے تو اس کے (جنازے) پر ایک کپڑا ڈال دیا جاتا ہے، جو (مردوں کے اٹھاتے وقت) اس کے جسم کے خدوخال کو واضح کرتا ہے!

ام جعفر رضی اللہ عنہا نے ان سے عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی!

کیا میں آپ کو وہ چیز نہ دکھاؤں جو میں نے حبشہ میں دیکھی ہے؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں! (ضرور دکھاؤ)۔

چنانچہ ام جعفر رضی اللہ عنہا نے کھجور کی تر شاخیں منگوائیں،

انہیں تابوت کے کناروں پر (کمان کی طرح) موڑ کر رکھا، پھر اس کے اوپر ایک کپڑا تان دیا۔

یہ دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بے حد خوش ہوئیں اور فرمایا:

یہ کتنا ہی اچھا اور کتنا ہی خوبصورت ہے!

سبحان اللہ! پردے اور حیاء کا کیا ہی عالم تھا، اے فاطمہ!

وہ اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ مرنے کے بعد (جنازے کی حالت میں) ان کا جسم نمایاں ہو جائے!

تو کیا ایک (سچی) صحابیہ کے لیے یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں، جیتے جی ایسا (بے پردگی کا) معاملہ کرے؟

اللہ کی قسم! اے صحابیہ، یہ ہرگز زیب نہیں دیتا!

میاں بیوی کا اختلاف!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

اور تم اپنی صحابیات بہنوں کے گھروں میں داخل ہونا پسند کرتی ہو تا کہ (ان کی زندگیوں سے) کچھ سیکھ سکو؛

کیونکہ گھر تو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں اور انسان بھی ہر دور میں ایک جیسے ہی رہے ہیں!

اور دیکھو، آج تم اپنے نبی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں ہو،

جو اپنی صاحبزادی (حضرت) فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت (ملاقات) کے لیے تشریف لائے ہیں!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (حضرت) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو گھر میں موجود نہ پایا،

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بارے میں دریافت فرمایا۔

انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ ان کے اور علیؓ کے درمیان کوئی گھریلو اختلاف (ان بن) ہو گیا ہے،

جس کی وجہ سے وہ گھر سے ناراض ہو کر چلے گئے ہیں اور وہ نہیں جانتیں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں!

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں (وہیں) چھوڑ کر خود بھی باہر تشریف لے آئے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو تلاش کرے۔

وہ شخص (تلاش کر کے) واپس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں!

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا تو وہ لیٹے سو رہے تھے جبکہ ان کی چادر ان کے پہلو سے سرک چکی تھی،

اوران کے رخسار (اور جسم) پر مٹی لگی ہوئی تھی!

تو آپ ﷺ نے (بڑے پیار سے) ان سے فرمایا: اٹھو، اے مٹی والے (ابوتراب)!

اور نبی کریم ﷺ اپنے دستِ مبارک سے ان کے چہرے سے مٹی جھاڑنے (صاف کرنے) لگے!

اے صحابیہ!

شاید تم نے اس بات پر غور کیا ہو کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادی سے اس اختلاف کی وجہ نہیں پوچھی جو ان کے اوران کے شوہر کے درمیان ہوا تھا!

اور نہ ہی آپ ﷺ نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس واقعے کی تفصیلات آپ ﷺ کے سامنے بیان کریں!

اور نہ ہی آپ ﷺ نے یہ پوچھا کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ سے کیا کہا تھا،

اور نہ ہی یہ کہ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں کیا جواب دیا تھا!

آپ ﷺ تمہیں یہ سکھانا چاہتے تھے کہ گھروں کے اپنے اسرار (راز) ہوتے ہیں!

اور آپ ﷺ نے یہ پسند فرمایا کہ اپنی بیٹی کے گھر کا راز برقرار رکھیں۔

پس (اے صحابیہ!) جب کبھی تمہارے اور تمہارے شوہر کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو جائے،

تو اس اختلاف کا غسیل (گندے کپڑے) نچوڑنے میں جلدی نہ کرو (یعنی اپنے گھر کی باتیں باہر نہ اچھالو)،

خواہ اپنے گھر والوں کے سامنے ہی کیوں نہ ہو!

جہاں تک ممکن ہو، اس معاملے کو اپنے اور اپنے شوہر کے درمیان ہی رہنے دو؛

کیونکہ آخر کار تم دونوں آپس میں صلح کر ہی لو گے۔

پس اپنے میکے والوں کے سامنے اپنے شوہر کا امیج (عکاسی) خراب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

انہیں (اپنے میکے والوں کو) اپنے شوہر سے محبت کرنے دو، اور اسے بھی ان سے محبت کرنے دو۔

انہیں یہ احساس نہ دلاؤ کہ تم کسی میدانِ جنگ میں زندگی گزار رہی ہو؛

کیونکہ تم اپنی خوشی کے لمحات تو ان سے چھپا کر رکھتی ہو،

لیکن لڑائی جھگڑے کے اوقات کا ڈھنڈورا پیٹ دیتی ہو!

یاد رکھو، اختلاف جب تک گھر کی چار دیواری میں بند رہتا ہے، چھوٹا ہی رہتا ہے۔

لیکن جیسے ہی وہ دروازے سے باہر نکلتا ہے اور لوگ اسے ایک دوسرے تک پہنچانے لگتے ہیں،

تو وہ برف کے اس گولے (Snowball) کی مانند بن جاتا ہے جو جتنا آگے بڑھتا ہے، اتنا ہی بڑا ہوتا چلا جاتا ہے!

اے صحابیہ!

میاں بیوی کے اختلافات ہر گھر میں ہوتے ہیں،

اور یہ ایک نہایت ہی فطری چیز ہے!

اہم بات یہ ہے کہ جب ایسا کوئی اختلاف رونما ہو، تو اس میں عزتِ نفس کا جنازہ نہ نکالا جائے،

اور نہ ہی رشتوں کے تقدس کو پامال کیا جائے!

اور نہ ہی دشمنی میں اخلاقی حدود کو پار کیا جائے!

تاکہ جب ہماری صلح ہو، تو ہم میں سے ہر ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر دیکھنے کے قابل ہو۔

زندگی کے مسائل تو حل ہو جاتے ہیں،

لیکن دل کے زخم اور عزتِ نفس پر لگی چوٹ کا بھرنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے!

اے صحابیہ!

شریف اور عالی ظرف لوگوں کے اختلاف سے بڑھ کر خوبصورت کوئی چیز نہیں ہوتی!

جب (حضرت) فاطمہ رضی اللہ عنہا غصے ہوئیں، تو (حضرت) علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا اور گھر سے باہر چلے گئے تا کہ وہ پرسکون ہو جائیں۔

تم اپنے شوہر کے سامنے مرغے کی طرح پر پھیلا کر (اکڑ کر) مت کھڑی ہو جایا کرو،

کہ وہ ایک لفظ کہے تو تم آگے سے دس کلمات سنا دو!

اسے اس کے حال پر چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔

مشکل یا غصے کے وقت آگے سے جواب دینا معاملے کو مزید بگاڑ دیتا ہے۔

اس نازک لمحے میں جو کچھ زبان سے نکلتا ہے،

وہ بذاتِ خود اس اصل مسئلے سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو سکتا ہے!

ایسے موقع پر کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔

وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو اور (اس عمل سے) شیطان کی بھڑکائی ہوئی آگ کو بجھا دو!

بے شک ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے،

پھر وہ اپنے لشکروں کو (فتنہ پھیلانے کے لیے) روانہ کرتا ہے۔

ان لشکریوں میں سے شیطان کے سب سے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ کھڑا کرے!

ان میں سے ایک واپس آ کر کہتا ہے: میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے!

تو ابلیس کہتا ہے: تو نے کچھ بھی نہیں کیا!

پھر دوسرا آ کر کہتا ہے:

(دوسرا آ کر کہتا ہے:) میں نے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ میں نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہیں ڈال دی!

تو ابلیس اسے اپنے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے: ہاں، تم نے کمال کیا!

شیطان کو یہ بات بے حد پسند ہے کہ گھروں میں اختلافات کی آگ بھڑکتی رہے؛

کیونکہ جن گھروں سے اتفاق واتحاد اور مہر ومحبت چھن جاتی ہے،

وہ تمام گناہوں اور برائیوں کے لیے ایک زرخیز ماحول بن جاتے ہیں،

پس شیطان پر (اپنے گھر کا) دروازہ بند کر دو!

اے صحابیہ!

تمہارے اور تمہارے شوہر کے درمیان خواہ کچھ بھی ہو جائے، اپنا گھر چھوڑ کر کبھی نہ جانا؛ تمہارا گھر تمہارا تخت ہے، اور ملکہ کبھی اپنا تخت چھوڑ کر نہیں جایا کرتی!

تمہارا گھر تمہارا قلعہ ہے، پس (باہر نکل کر) خود کو بے بس اور نہتا نہ کرو۔

تمہاری بیٹیاں ہیں جو تمہیں دیکھ رہی ہیں؛

پس ان کے ذہنوں میں یہ بات راسخ نہ کرو کہ گھر چھوڑ کر چلے جانا ہی ہر مسئلے کا حل ہے۔

اپنے بچوں کے ذہنوں میں ان کے باپ کا امیج (عکاسی) خراب نہ کرو۔

کسی وقتی طیش، نادانی یا بے صبری کے لمحے میں ان کے سامنے باپ کو کوئی وحشی انسان نہ بناؤ،

وہ بھی ایک ایسے معاملے پر جو ہر گھر کا حصہ ہے!

کیا تم یہ گمان کرتی ہو کہ جن گھروں سے آوازیں باہر نہیں آتیں، ان میں مسائل

نہیں ہوتے؟

تم غلطی پر ہو!

ہر گھر میں مسائل اور اختلافات ہوتے ہیں،

لیکن عالی ظرف لوگ زندگی کا سفر جاری رکھنے کے لیے اپنے زخموں کو دانتوں تلے دبا لیتے ہیں (یعنی صبر کر جاتے ہیں)۔

اے صحابیہ!

(ایک بار) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی (ام المومنین) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لیے تشریف لائے،

پس انہوں نے (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (اندر آنے کی) اجازت مانگی۔

جب وہ اندر آئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اونچی آواز میں بات کر رہی ہیں۔

انہوں نے (جلال میں آکر) فرمایا: اے فلاں کی بیٹی! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی آواز اونچی کر رہی ہو؟

اور وہ انہیں سزا دینے (مارنے) کے لیے آگے بڑھے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان حائل ہو گئے (اور انہیں روک دیا)۔

پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے باہر نکل گئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنستے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے کیسے تمہاری جان اس شخص سے بچائی؟

کچھ دیر بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اندر آنے کی اجازت مانگی، تو انہوں نے آپ دونوں کو ہنستے مسکراتے ہوئے پایا۔

تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (خوش ہو کر) عرض کیا:

مجھے بھی اپنی صلح میں اسی طرح شریک کر لیجیے جیسے آپ دونوں نے مجھے اپنے جھگڑے میں شریک کیا تھا!

اے صحابیہ!

تم ایمان کے جس مرتبے پر بھی پہنچ جاؤ، تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایمان (اور مقام) کو نہیں پا سکتیں؛

اور تمہارا شوہر تقویٰ و صلاحیت کے جس درجے پر بھی فائز ہو جائے،

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقویٰ اور شان کو نہیں پہنچ سکتا!

اور یہاں (اس واقعے میں) آپ دونوں کے درمیان بھی تو ایک اختلاف رونما ہوا تھا!

اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے،

بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس اختلاف کے وقت کیسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں؟!

یہ بات بالکل سچ ہے کہ مرد گھر کا سربراہ ہے اور اس پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے،

لیکن گھر کا سکون اور اس کا چین برقرار رکھنا اصلاً زوجہ (بیوی) کا فریضہ ہے، شوہر کا نہیں!

اور دیکھو، تم حیرت میں مت پڑنا اور نہ ہی مجھ پر یہ الزام لگانا کہ میں مردوں کی طرفداری کر رہا ہوں؛

کیونکہ تم ہی میری بیوی ہو، میری بیٹی ہو، میری ماں ہو، میری بہن ہو، میری پھوپھی ہو اور میری خالہ ہو!

تم میری عزت ہو، میری آبرو ہو، اور میں تمہاری ہی صف میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں!
اسی لیے میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں اور اسے تمہاری آنکھوں کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

اور تم اپنے رب کا یہ فرمان پڑھو

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا

(اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو)۔ اور اپنے رب کا یہ فرمان بھی پڑھو

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا

(وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس سے سکون پائے)۔

پس گھر میں سکون، اطمینان اور امن و امان قائم کرنا اصلاً بیوی ہی کا فریضہ ہے۔
یہ بات بالکل سچ ہے کہ شوہر اس معاملے میں ایک اہم اور بااثر عامل (کردار) ہے؛
وہ اس مقصد میں تمہارا مددگار ساتھی بھی بن سکتا ہے اور تنگی پیدا کرنے والا سبب بھی۔
لیکن شوہر کے اپنا کردار ادا کرنے سے پہلے، یہ سکون فراہم کرنا خود تمہاری اپنی ذمہ داری ہے!

اور یاد رکھو، جب تم نے اس فریضے کو بہترین اور مکمل طریقے سے سرانجام دے دیا، تو وہ (شوہر) تمہاری انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کی طرح بن جائے گا (یعنی تمہارا مطیع و فرمانبردار بن جائے گا)!

❁❁❁

ماں کی بددعا!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

تمہیں اگلوں کی باتیں اور گزشتہ امتوں کے احوال سکون بخشتے ہیں،

تو پھران کا کیا کہنا جب یہ باتیں اور ان کے احوال تمہارے محبوب نبی ﷺ کی زبانی ہوں!

اوراب تم ایک ایسی مجلس میں ہو جو حسن اور جلال سے لبریز ہے،

جہاں تمہارے نبی ﷺ تم سے فرمارہے ہیں:

بنی اسرائیل میں "جُرَیج" نامی ایک عابد (عبادت گزار شخص) تھا، اس نے اپنے لیے ایک صومعہ (عبادت گاہ) بنا رکھا تھا اور اسی میں رہتا تھا۔

ایک دن وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی ماں اس کے پاس آئی

اس نے پکارا: اے جریج!

جریج نے (دل میں) کہا: اے میرے رب! ایک طرف میری ماں ہے اور دوسری طرف میری نماز (میں کسے اختیار کروں)؟

چنانچہ وہ اپنی نماز کی طرف متوجہ رہا اور ماں واپس لوٹ گئی۔

جب اگلا دن ہوا، تو ماں پھر اس کے پاس آئی اور وہ نماز پڑھ رہا تھا؛

اس نے پکارا: اے جریج!

جریج نے (پھر دل میں) کہا: اے میرے رب! میری ماں اور میری نماز!

اور وہ اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہا۔

(اس بات پر رنجیدہ ہوکر) اس کی ماں نے بددعا کی: اے اللہ! اسے موت نہ دینا جب تک کہ یہ بدکار عورتوں (فاحشاؤں) کے چہرے نہ دیکھ لے!

کچھ عرصے بعد بنی اسرائیل کے لوگ جریج اور اس کی عبادت گزاری کا تذکرہ کرنے لگے (جہاں ان کی شہرت کا چرچا ہوا)۔

وہاں ایک بدکار عورت تھی جس کے حسن و جمال کی مثالیں دی جاتی تھیں؛

اس نے (لوگوں سے) کہا: اگر تم چاہو تو میں اسے فتنے میں مبتلا کر سکتی ہوں!

چنانچہ وہ جریج کے پاس گئی اور خود کو اس کے سامنے پیش کیا، لیکن جریج نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا (کوئی توجہ نہ دی)۔

تب وہ عورت ایک چرواہے کے پاس گئی جو جریج کی عبادت گاہ کے پاس ہی پناہ لیا کرتا تھا، اس نے خود کو اس چرواہے کے حوالے کر دیا،

پس اس نے عورت سے منہ کالا کیا اور وہ حاملہ ہو گئی

پس جب اس نے بچہ جنا تو کہا: یہ جریج کی اولاد ہے۔

چنانچہ لوگ جریج کے پاس آئے، اسے اس کی عبادت گاہ سے زبردستی نیچے اتارا، اس کی عبادت گاہ کو ڈھیر کر دیا اور اسے مارنے پیٹنے لگے۔

جریج نے پوچھا: تمہارا کیا معاملہ ہے (تم لوگ مجھے کیوں مار رہے ہو)؟

انہوں نے کہا: تو نے اس بدکار عورت سے زنا کیا ہے، اور اس سے تیرا یہ بچہ پیدا ہوا ہے!

جریج نے پوچھا: وہ بچہ کہاں ہے؟

پس وہ اس بچے کو لے آئے

جریج نے کہا: مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں! چنانچہ اس نے نماز پڑھی۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوا، تو اس معصوم بچے کے پاس آیا، اس کے پیٹ پر انگلی سے کچوکا لگایا اور پوچھا:

اے بچے! بتا تیرا باپ کون ہے؟

بچے نے (بول کر) جواب دیا: فلاں چرواہا!

(یہ معجزہ دیکھ کر) لوگ جریج کی طرف لپکے، ان کا بوسہ لینے لگے اور (برکت کے لیے) ان سے اپنا بدن مس کرنے لگے۔

انہوں نے عرض کیا: ہم آپ کے لیے سونے کا صومعہ (عبادت گاہ) بنا دیتے ہیں!

جریج نے فرمایا: نہیں! اسے مٹی سے ویسا ہی بنا دو جیسی یہ پہلے تھی! چنانچہ انہوں نے ویسا ہی کر دیا۔

اے صحابیہ!

جمال (حسن وخوبصورتی) ایک ایسی نعمت ہے جس کی حفاظت کی جانی چاہیے۔

پس تم کبھی اپنے حسن کو اور اپنی نسوانیت کو گمراہی کا ہتھیار مت بنانا!

کیونکہ یہ بدکار عورتوں کا شیوہ ہے، پاکدامن خواتین کا طرزِ عمل نہیں!

نزاکتِ نسوانی اور ناز وانداز مردوں کے دلوں کو مٹھی میں کر لیتے ہیں،

پس تم سب سے پہلے اپنے وجود کی حفاظت کرو، اور پھر دوسرے لوگوں کی (عصمت کی) حفاظت کا ذریعہ بنو!

اللہ تعالیٰ نے ان پاکباز ہستیوں سے فرمایا تھا جو تم سے کہیں زیادہ پاکیزہ تھیں، یعنی نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات سے:

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا

(اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو، پس تم گفتگو میں نرمی (لوچ) نہ اختیار کیا کرو تاکہ وہ شخص کوئی برا خیال نہ کرے جس کے دل میں

(نفاق یا شہوت کی) بیماری ہو، اور صاف سیدھی بات کیا کرو۔

جب تم اپنی نزاکت اور نسوانیت کا اظہار اس کے اصل محل (مقام) کے علاوہ کہیں اور کرتی ہو،

اور اپنے ناز و انداز اس شخص کے سامنے عیاں کرتی ہو جو ان کا حقدار نہیں؛

تو تم (اہلِ ہوس کی) طمع کا مرکز بن جاؤ گی، اور تمہارے بارے میں یہ گمان کر لیا جائے گا کہ تم تک پہنچنا نہایت آسان ہے!

بازار میں دکاندار کے سامنے (بات چیت میں) مضبوط اور باوقار رہو؛

تمہاری عزت و آبرو ان چند درہموں سے کہیں زیادہ قیمتی ہے جو وہ (تمہاری نرم گفتگو کی وجہ سے) تمہارے بل میں سے کم کر دیتا ہے!

ملازمت کی جگہ اپنے ساتھ کام کرنے والے مردوں کے سامنے اپنے وقار اور اعصاب پر قابو رکھو؛

تمہاری ساکھ اور نیک نامی وہ انمول دولت ہے جس کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی!

خود (فتنے کا) دروازہ یا اس کا کوئی رخنہ مت کھولو،

کہ پھر تم اس بات کا شکوہ کرو کہ کوئی اس کے اندر چپکے سے گھس آیا ہے!

(برے) اسباب کا تدارک کرنا تمہارے لیے (برے) نتائج بھگتنے اور ان کا علاج کرنے سے کہیں زیادہ آسان ہے!

ایسی ملازمتیں اور نوکریاں بھاڑ میں جائیں،

جن کی قیمت تمہاری عزت و شرف پر حرف آنے کی صورت میں چکانی پڑے!

تمہارے نصیب کا جو رزق ہے، وہ پوری دنیا کی مخالفت کے باوجود تم تک پہنچ کر رہے گا؛ کیونکہ رزق اللہ کے پاس ہے، لوگوں کے پاس نہیں،

اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، اسے اس کی نافرمانی کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا!

اے صحابیہ!

خبردار! اپنی اولاد کو کبھی بددعا مت دینا؛

مبادا کہ تمہاری بددعا قبولیت کی کسی ایسی گھڑی سے جا ٹکرائے کہ تم انہیں خود اپنے ہاتھوں ہلاک (برباد) کر بیٹھو۔

یاد رکھو، والدین کی بددعا نہایت مہلک (اور کارگر) ہوتی ہے!

جریج راہب کو جو کچھ بھی مصیبت پہنچی، وہ ان کی ماں کی بددعا کی وجہ سے تھی۔

ان کی ماں نے بددعا دی تھی کہ وہ بدکار عورتوں کے چہرے دیکھے بغیر نہ مرے،

پس اس کی یہ بددعا قبولیت کی گھڑی کے موافق ہو گئی اور جریج کو اس مصیبت نے آ لیا جس کے بارے میں تم جانتے ہو!

(حضرت) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عمر رسیدہ ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جس کا ہاتھ شل (ناکارہ) ہو چکا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: تمہارے اس ہاتھ کو کیا ہوا؟

اس نے جواب دیا: زمانۂ جاہلیت میں میرے باپ نے میرے لیے شل ہونے کی بددعا کی تھی، پس یہ ناکارہ ہو گیا!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حیرت سے) فرمایا: یہ تو جاہلیت میں باپ کی بددعا کا اثر ہے، تو پھر اسلام میں (بددعا کا اثر) کیسا ہو گا؟

اور کتاب "أزهار الرياض في أخبار القاضي عياض" میں ذکر ہے کہ

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پیر کٹا ہوا تھا۔

جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا: یہ میری ماں کی بددعا کا

نتیجہ ہے! ہوا یوں کہ میں نے اپنے بچپن میں ایک چڑیا پکڑی،
اور اس کی ٹانگ میں دھاگا باندھ دیا۔ پھر میں نے اسے (بے رحمی سے) کھینچا تو
اس کی ٹانگ کٹ گئی!

میری ماں کو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا اور اس نے (طیش میں آکر) کہا:
اللہ تیری ٹانگ بھی اسی طرح کاٹ دے جیسے تو نے اس کی ٹانگ کاٹی ہے!
جب میں بڑا ہوا اور طلبِ علم کے لیے بخارا کے سفر پر روانہ ہوا،
تو میں سواری سے گر گیا جس سے میری ٹانگ ٹوٹ گئی اور اسے کاٹنا واجب ہو گیا!
(اے ماں!) اللہ تم پر رحم فرمائے، اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔
بچے واقعی تھکا دینے والی مخلوق ہیں۔
لیکن اس تمام تھکن کے بدلے تمہیں تربیت کا اجر بھی ملتا ہے!
اور بچے ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو یقیناً غصہ دلانے والی ہوتی ہیں،
مگر (ان پر) صبر کرنا جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے!
پھر یہ بھی سوچو کہ اگر بچوں کے حق میں کی گئی بری دعا (بددعا) قبول ہو گئی،
تو اس کی آگ میں سب سے پہلے تم خود ہی جھلسو گی!
اگر تم نے اپنے بیٹے یا بیٹی کے حق میں محرومی (ناکام ہونے) کی بددعا کی
تو تم خود ہی اس بیٹے اور اس بیٹی کی عافیت سے محروم ہو جاؤ گی۔
تم غصے کے ایک عارضی لمحے میں خود کو ان کی فرمانبرداری اور نیکی سے محروم کر بیٹھو گی،
اور (ان کی) ناکامی تمہارے لیے مستقل بدبختی بن جائے گی!
اگر تمہاری اولاد ہی بدقسمت (یا ناکام) ہو گئی، تو تمہیں بھلا کہاں سکون مل پائے گا؟
اس لیے اپنی زبان کو ان کے حق میں دعا کرنے کا عادی بناؤ، نہ کہ ان پر بددعا

کرنے کا! برباد کردینے والی سخت بددعاوں کو خوبصورت اور میٹھی دعاؤں سے بدل دو!

اپنے بیٹے سے کہو: اللہ تمھیں ہدایت دے!

اور اپنی بیٹی سے کہو: اللہ تمہاری اصلاح فرمائے!

یاد رکھو، ان کی ہدایت اور ان کی نیکی کے پھل سمیٹنے والی

سب سے پہلی ذات تم خود ہی ہوگی!

اے صحابیہ!

نماز آغازِ تاریخ سے ہی صالحین کی پناہ گاہ رہی ہے۔

جب جریج (راہب) پر وہ (بدکاری کی) تہمت لگی،

تو انہوں نے (سب سے پہلے) یہی کہا: مجھے مہلت دو کہ میں نماز پڑھ لوں!

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں نجات عطا فرمائی اور اس تہمت سے بری کیا جوان پر لگائی گئی تھی۔

چنانچہ اللہ ہی کو اپنا امن کا گہوارہ اور اپنا مضبوط قلعہ بنالو!

جب کبھی تمہاری تدبیریں اور حیلے جواب دے جائیں، تو صدقہ وخیرات کرو۔

جب تمہارے چہرے پر (کامیابی کے) دروازے بند ہونے لگیں، تو دعا کی طرف لپکو۔ اور جب معاملات بگڑنے اور پیچیدگی اختیار کرنے لگیں، تو نماز کی غار (پناہ گاہ) میں داخل ہوجاؤ!

حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے کسی چیز نے نجات نہیں دلائی سوائے ان کی تسبیح اور استغفار کے!

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر سے نجات نہیں پاسکے، سوائے اللہ پر اپنے بہترین گمان کے!

اور حضرت نوح علیہ السلام نے لکڑی سے بنی ہوئی اس کشتی کے ذریعے نجات نہیں پائی تھی،
سوائے اس کے کہ وہ پہلے ہی توحید کی کشتی پر سوار ہو چکے تھے!
اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے ہجرت کے دن نجات نہیں پائی تھی،
سوائے اللہ پر توکل اور یقینِ کامل کے!
(جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:) اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہو!

اے صحابیہ!

گناہوں میں ڈوبے ہوئے لوگ بیمار دل ہوتے ہیں، پس ان سے ہوشیار رہو!
وہ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کاش سب لوگ ان ہی جیسے (گناہگار) ہو جائیں!
اس زانیہ عورت کو جریج (راہب) کی پاکدامنی کھٹکتی تھی،
چنانچہ اس نے چاہا کہ وہ بھی اسی کی طرح (گناہ کی دلدل میں) آ جائے!
تم اپنی صلاح وتقویٰ اور اپنی عفت و پاکدامنی کے ذریعے ان ناقص لوگوں کو ان کے نقص (کمی) کی یاد دلاتی ہو۔
رشوت خور کو ایک ایماندار شخص اپنی امانت داری سے تکلیف پہنچاتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات سے اسے بتاتا ہے کہ وہ کتنا گرا ہوا ہے!
اور زانیہ عورت کو ایک پاکدامن خاتون اپنی عفت سے دکھ پہنچاتی ہے کیونکہ وہ اسے بتاتی ہے کہ وہ خود کتنی سستی (اور بے وقعت) ہے!
اور اس سے پہلے قومِ لوط نے بھی تو یہی کہا تھا: "لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو، کیونکہ یہ لوگ بہت پاکباز بنتے ہیں!"

بے شک ناپاک اور آلودہ شخص دوسرے کی پاکیزگی دیکھ کر گھٹن محسوس کرنے لگتا ہے!

اے صحابیہ!

جو لوگ لوگوں کی عزتوں اور آبرو کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، ان کی باتوں پر کبھی کان نہ دھرنا!

انہوں نے جریج پر زنا کی تہمت لگائی، حالانکہ وہ نہایت عفیف اور پاک باز تھے۔

اور ان کی قوم نے اس تہمت کو سچ مان لیا، باوجود اس کے کہ یہ بات ایک ایسی زانیہ عورت کی طرف سے آئی تھی جسے (سازش کے لیے) اجرت پر لایا گیا تھا!

اس دنیا میں کتنی ہی پاکدامن عورتیں ہیں جن پر ظلم ڈھایا گیا

اور کتنے ہی امانت دار ہیں جن پر خیانت کی تہمت لگائی گئی،

اور کتنے ہی ایسے ملزم ہیں جن کی بے گناہی حضرت یوسف علیہ السلام کے خونِ قمیص پر بھیڑیے کی بے گناہی کی طرح بالکل واضح اور عیاں ہے!

پس جب کبھی تمہارے کانوں تک کوئی تہمت پہنچے،

تو اسے وہیں اپنے پاس ہی روک دو اور اسے آگے مت پھیلاؤ!

کیونکہ اگر وہ تہمت سچی بھی ہو، تب بھی (اسے پھیلا کر) تم فحاشی کو نشر کرنے میں ابلیس کی کارندہ بن جاؤ گی،

اور اگر وہ جھوٹی ہوئی، تو تم لوگوں کی عزتوں اور آبرو پر حملہ آور ہونے کے گناہ میں جا پڑو گی!

جو شخص کسی کا عیب چھپاتا ہے، اللہ اس کا عیب چھپاتا ہے، اور انسان وہی کچھ پاتا ہے جو وہ دوسروں کو دیتا ہے!

اور جو شخص لوگوں کے عیوب اور ان کے مخفی احوال کے پیچھے پڑتا ہے، اللہ اس کے

عیوب کے پیچھے پڑ جاتا ہے (اور اسے رسوا کر دیتا ہے)۔

غور کرو، حضرت مریم صدیقہ (علیہا السلام) پر زنا کی تہمت لگائی گئی،

اور اللہ سے کلام کرنے والے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر یہ الزام لگا دیا گیا کہ وہ زمین پر فساد پھیلانا چاہتے ہیں!

اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ، جادو اور پاگل پن کے الزامات لگائے گئے!

پس جب یہ عظیم ہستیاں بھی لوگوں (کی زبانوں) سے محفوظ نہ رہ سکیں،

تو پھر ان سے کم تر لوگ بھلا کیسے بچ سکتے ہیں، حالانکہ ہم سب تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں!

ایک ملاقات!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

تم ہر دور اور ہر زمانے کے نیک لوگوں سے محبت کرتی ہو،

تم ان لوگوں سے محبت کرتی ہو جو تم سے پہلے توحید کے اس قافلے میں گزر چکے ہیں پہلی امتوں میں سے،

اور تم ان لوگوں سے بھی محبت کرتی ہو جو توحید پر قائم ہوں گے اور ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے! تمہارے رب، تمہارے حبیب اور تمہارے نبی ﷺ نے تمہاری اس طرح تربیت فرمائی ہے کہ

اسلام تاریخ کی مٹی میں بہت گہری جڑیں رکھنے والی ایک دعوت ہے!

اور اس دین کے ساتھ تمہارا یہ تعلق تمہاری پیدائش یا تمہاری فطرت سے شروع نہیں ہوا، بلکہ یہ تو حق اور باطل کے اس سب سے پہلے معرکے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا؛

جب ملعون ابلیس نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا!

اور یہ تعلق تمہاری موت پر بھی ختم نہیں ہوگا،

تم تو اس عقیدے کی بیٹی ہو جس کی ذمہ داری (تکلیف) صرف اس وقت ساقط ہوگی جب اسرافیل صور پھونکیں گے!

اور چونکہ تم نے نبی کریم ﷺ کو ایک بار یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

کاش! میں اپنے بھائیوں کو دیکھ پاتا۔

تو صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ تم تو میرے صحابی (ساتھی) ہو، اور میرے بھائی وہ لوگ

ہیں جو ابھی تک (دنیا میں) نہیں آئے،

اور میں حوضِ کوثر پر ان کا پیش رو (پہلے سے منتظر) ہوں گا!

صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو آپ کے بعد آئیں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: بھلا یہ بتاؤ کہ اگر کسی شخص کے ایسے گھوڑے ہوں جن کی پیشانی اور پاؤں چمکدار سفید ہوں،

اور وہ انہیں ایسے گھوڑوں کے درمیان چھوڑ دے جو بالکل سیاہ رنگ کے ہوں، تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچان لے گا؟

صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! (یعنی وہ شخص اپنے گھوڑوں کو ضرور پہچان لے گا)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تو یقیناً وہ (میرے بھائی) قیامت کے دن وضو کے اثرات کی وجہ سے چمکتی ہوئی پیشانی اور چمکدار ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے!

اے صحابیہ!

دیکھو، تمہارا دل ان نیک لوگوں کے حالات جاننے کے لیے تڑپ رہا ہے جو عہدِ نبوت میں موجود نہ تھے،

اور لو! آج تم ایک ایسے ہی واقعے کے روبرو ہو، پس اپنے دل کو (پوری توجہ کے ساتھ) حاضر کر لو!

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر والوں کے سامنے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کثرت سے تذکرہ کرتے اور ان کی خوب تعریف و توصیف فرماتے تھے۔

ایک دن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگرد امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر تشریف لائے (مہمان بنے)۔معزز مہمان نے کھانا تناول فرمایا اور اپنے بستر کی طرف آرام کرنے چلے گئے۔

پھر جب رات بیت گئی، تو انہوں نے گھر والوں کو فجر کی نماز پڑھائی اور دوبارہ اپنے بستر پر تشریف لے گئے۔

صبح ہوئی تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے اپنے والد سے پوچھا:

اے ابا جان! کیا یہ وہی (امام) شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کا آپ مجھ سے اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں میری بیٹی!

وہ کہنے لگی: میں نے آپ کو ہمیشہ ان کی عظمت کا اعتراف کرتے سنا ہے، مگر میں نے تو آج کی رات ان کی کوئی (نفل) نماز، نہ کوئی ذکر اور نہ ہی کوئی وظیفہ (ورد) دیکھا ہے!

بلکہ میں نے ان کے بارے میں تین عجیب باتیں نوٹ کی ہیں!

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: میری پیاری بیٹی! وہ کیا باتیں ہیں؟

صاحبزادی نے عرض کیا: **پہلی بات**: جب ہم نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا، تو انہوں نے خلافِ توقع بہت کثرت سے کھانا کھایا، جبکہ میں نے ان کے (کم کھانے اور زہد کے بارے میں اس کے برعکس سن رکھا تھا۔

دوسری بات: وہ رات کو قیامِ لیل (تہجد) کے لیے بالکل نہیں اٹھے!

تیسری بات: جب انہوں نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، تو (نماز کے لیے دوبارہ وضو نہیں کیا!

چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کی خبر دی جو ان کی بیٹی نے کہی تھی!

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: "اے احمد! میں نے کثرت سے اس لیے کھایا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا کھانا حلال ہے، اور حلال کھانا تو دوا ہوتا ہے، اور میرے

اندر ایک بیماری ہے!

پس میں نے آپ کے کھانے سے پیٹ بھرنے کے لیے نہیں کھایا، بلکہ میں تو اس سے اپنا علاج کر رہا تھا!

اور رہی یہ بات کہ میں نمازِ شب (تہجد) کے لیے کیوں نہیں اٹھا،

تو (اس کی وجہ یہ ہے کہ) جب میں نے سونے کے لیے اپنا سر رکھا،

تو میں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے سامنے پایا،

پس اللہ تعالیٰ نے مجھ پر علمِ فقہ کے بہتر (72) مسائل کے دروازے کھول دیے!

میں نے انہیں مسلمانوں کے مصالح وفوائد کے مطابق ترتیب دیا، اور یہی سوچ بچار میرے اور قیامِ لیل کے درمیان حائل ہوگئی (یعنی نفل نماز سے بڑھ کر امت کی خیر خواہی کے علمی کام میں وقت گزرا)۔

اور رہی یہ بات کہ میں نے بغیر (نیا) وضو کیے آپ کو فجر کی نماز پڑھائی،

تو اللہ کی قسم! میری آنکھیں سوئی ہی نہیں تھیں کہ مجھے وضو کی تجدید کرنی پڑتی،

چنانچہ میں نے آپ کو عشاء کے وضو ہی سے فجر کی نماز پڑھائی ہے!

پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں الوداع کہا اور تشریف لے گئے۔۔۔

تب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیٹی سے فرمایا: "شافعی نے لیٹے لیٹے جو کام (امت کے لیے) کیا ہے، وہ میرے کھڑے ہوکر (عبادت کرنے) کے کام سے کہیں افضل ہے!"

اے صحابیہ!

تم بلند مقامات اور عظمت کے لیے پیدا کی گئی ہو، پس فضول اور سطحی باتوں کو چھوڑ دو!

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی نے تمہیں زندگی کا ایک نہایت بلیغ اور گہرا درس دیا ہے؛

اور وہ ہے: ظاہر کے بجائے جوہر (حقیقت) پر نظر رکھنا!

اس نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے عمامے (پگڑی) کے بارے میں کوئی بات نہیں کی،

اور نہ ہی اس بات پر دھیان دیا کہ آیا وہ ان کے کپڑوں کے رنگ سے میچنگ (مطابقت) رکھتا ہے یا نہیں،

اور نہ ہی ان کی داڑھی اور ان کی انگوٹھی نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچی،

وہ (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی) تو صرف ان کے دین اور ان کی عبادت کا مشاہدہ کر رہی تھی! پس تم بھی سوشل میڈیا (مواقع التواصل) پر مشہور لوگوں (سیلیبریٹیز) کی لغو اور فضول باتوں کو چھوڑ دو!

تمہیں بھلا اس چیز سے کیا فائدہ پہنچے گا کہ اس فیشن ماڈل نے کیا پہن رکھا ہے،

یا اس گلوکار نے دن بھر میں کیا کیا ہے!

تم دوسروں کی زندگیوں میں جینے کے لیے پیدا نہیں کی گئیں، بلکہ اپنی زندگی جینے کے لیے آئی ہو! سوشل میڈیا پر بہت سا گہرا علم اور بے شمار فائدے بھی موجود ہیں؛

جیسے فقہ، حدیث اور علمِ تفسیر کے اسباق، نافع اور مفید دستاویزی فلمیں (ڈاکیومنٹریز)، اور مختلف علوم پر ایسے لیکچرز جو علم و معرفت کو تمہاری گود تک لے آتے ہیں!

فلاحی کام اور ایسی امدادی سرگرمیاں جنہوں نے بہت سے لوگوں کی زندگیوں کو بہترین رخ پر بدل دیا!

پس زندگی کے ساتھ شہد کی مکھی کی ذہنیت سے معاملہ کرو، مکھی کی ذہنیت سے نہیں!

شہد کی مکھی کبھی نہیں بیٹھتی مگر صرف پھول پر،

جبکہ (عام) مکھی کبھی نہیں بیٹھتی مگر صرف گندگی پر!

اس چیز کی تلاش کرو جو تمہارے دل کو نرم کر دے،

کیونکہ انسان اپنے دل ہی سے انسان ہے!

اوراس چیز کو ڈھونڈو جو تمہاری عقل کو روشن کر دے، کیونکہ تمہاری عقل ہی تمہارا ہتھیار ہے!

اے صحابیہ!

میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا کہ تم فیشن سے بالکل جاہل (ناواقف) بن جاؤ،

اور نہ ہی یہ کہہ رہا ہوں کہ تم نفاست، سجاوٹ اور بناؤ سنگھار کو چھوڑ دو!

بلکہ میں تو تم سے یہ کہہ رہا ہوں کہ: علم و معرفت ایک الگ چیز ہے اور کسی چیز کا جنون (امیروں کی اندھی تقلید) ایک بالکل دوسری چیز ہے!

اور میں تم سے یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ تم دنیا سے کٹ کر کسی دوسری ہی دنیا میں رہنے لگو،

بلکہ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ مادہ پرستی روح کو فاسد (برباد) کر دیتی ہے،

اور دوسروں کی زندگیوں کی باریک ترین تفصیلات کے پیچھے پڑے رہنا تمہاری اپنی زندگی کو تباہ کر سکتا ہے!

کیونکہ یہ چیز (دوسروں کی زندگیوں پر نظر رکھنا) تمہیں اللہ کی اس تقسیم پر ناخوش کر دے گی جو اس نے تمہارے لیے مقرر کی ہے!

ان لوگوں کا تو کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ انہوں نے کیا خریدا یا کیا بیچا،

یا انہوں نے کیا کھایا اور وہ کہاں کے سفر پر روانہ ہوئے!

ان کی زندگیاں فلموں کی طرح ایک "مثالی زندگی" بنا کر پیش کی جاتی ہیں؛

جس کے نتیجے میں تم لاشعوری طور پر اپنی زندگی کو حقیر سمجھنے لگتی ہو،

تم خود میں ایک کمی محسوس کرنے لگتی ہو کیونکہ تمہارے پاس فلاں خاتون جیسا ہینڈ بیگ یا اس جیسے زیورات نہیں ہیں،

اور تم دل میں تنگی محسوس کرنے لگتی ہو کیونکہ تمہارے پاس فلاں شخص جیسے اسفار اور

گھومنے پھرنے کے مواقع نہیں ہیں!

جب ہم دوسروں کے ہاتھوں میں موجود چیزوں کو دیکھنے لگتے ہیں،
تو اپنے ہاتھوں میں موجود نعمتوں کو ہیچ (بے قیمت) سمجھنے لگتے ہیں،
اور ہمارے اندر کمتری کا بیج پنپنے لگتا ہے!
پھر بھلا تم سے کس نے کہہ دیا کہ ان لوگوں کی زندگیاں مثالی ہیں؟
یہ لوگ تمہیں اپنی زندگی کا صرف وہی حصہ دکھاتے ہیں جو وہ خود دکھانا چاہتے ہیں!
جبکہ طلاق کی سب سے زیادہ شرح تمہیں ان ہی کے ہاں ملے گی، اور مال و دولت پر سب سے زیادہ جھگڑے بھی ان ہی کے درمیان پائے جاتے ہیں!
جس وقت فلاں خاتون ایک چمکتی دمکتی زندگی کی نمائش کر رہی ہوتی ہے،
عین اسی وقت اس کے پیچھے ایک اجڑا ہوا گھر اور برباد ہوتا ہوا خاندان ہوتا ہے!
اور جس وقت فلاں شخص تمہیں یہ سکھا رہا ہوتا ہے کہ تمہیں کیسے کھانا چاہیے اور کیا خریدنا چاہیے، عین اسی وقت اس کا اپنا گھرانہ غفلت اور لاپرواہی کا شکار ہو کر سسک رہا ہوتا ہے!
دکھاوے کی اس زندگی میں سب سے بری بات یہ ہے کہ یہ ہمارے اندر کے انسان کو مار دیتی ہے!
اور یہ ہمیں اس عظیم مقصد (مشن) سے غافل کر دیتی ہے جس کے لیے ہم پیدا کیے گئے ہیں، اور اس کٹھن امتحان کو بھلا دیتی ہے جسے پار کرنا ہم پر لازم ہے!

❁❁❁

اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنانا!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

تمہارا دل ابھی پچھلی امتوں کے قصوں سے سیر نہیں ہوا،

ہر نئی کہانی کے ساتھ ان کی خبریں جاننے کی تمہاری پیاس مزید بڑھ جاتی ہے،

اور بھلا وحیِ الٰہی کی تائید یافتہ ہستی (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علاوہ تمہیں کون بتا سکتا ہے کہ واقعی کیا ہوا تھا؟!

اور دیکھو: آج تم ایک نئی خبر اور ایک دلچسپ کہانی کے روبرو ہو،

اور یہ تمہارے نبی اور تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو تمہیں اپنے ساتھ،

ماضیِ بعید کی کشتی پر سوار کر کے لے جا رہے ہیں!

وہ اپنی شیریں آواز میں تم سے فرما رہے ہیں:

بنی اسرائیل میں ایک عورت تھی جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی،

اتنے میں وہاں سے ایک شاندار لباس اور شان وشوکت والا سوار گزرا۔

تو اس (ماں) نے (اسے دیکھ کر) کہا: اے اللہ! میرے بیٹے کو بھی اس جیسا بنا دے!

تو اس بچے نے اپنی ماں کا دودھ پینا چھوڑ دیا اور اس سوار کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنانا!

پھر وہ دوبارہ اپنی ماں کا دودھ چوسنے لگا۔ (راوی کہتے ہیں کہ یہ بتاتے ہوئے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک کو منہ میں لے کر چوسا تاکہ وہ تمہیں اس منظر کا اس طرح احساس دلائیں جیسے تم خود اس کہانی کو جی رہی ہو،

اور گویا وہ منظر ابھی تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو!

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:) پھر وہاں سے ایک لونڈی (غلام عورت) گزری جسے

لوگ مار پیٹ رہے تھے،

تو اس (ماں) نے کہا: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا!

تو بچے نے پھر دودھ پینا چھوڑ دیا اور بولا:

اے اللہ! مجھے اس جیسا ہی بنا دے!

اس پر ماں نے (حیرت سے) پوچھا: اور ایسا کیوں؟ (یعنی تم نے الٹی دعا کیوں کی؟) بچے نے جواب دیا: وہ سوار تو جابروں (ظالموں) میں سے ایک جابر شخص تھا،

جبکہ یہ لونڈی، لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے، اس نے زنا کیا ہے، حالانکہ اس نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا!

اے صحابیہ!

وہ قصے جو وحی الٰہی لے کر آئی ہے (خواہ وہ قرآن میں ہوں یا سنتِ نبوی میں) وہ محض تفریح اور دل بہلانے کے لیے نہیں ہیں، اگر چہ وہ دلچسپ ضرور ہوتے ہیں۔

بلکہ وہ تو سب سے پہلے اس لیے ہیں کہ ہم ان کے برحق وقوع پذیر ہونے کی تصدیق کریں،

اور دوسری بات یہ کہ ان سے وعظ و نصیحت، عبرت اور عمل حاصل کریں!

چنانچہ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کو واقعی آگ میں ڈالا گیا تھا

اور وہ سچ مچ نہیں جلے تھے!

اور (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی سے واقعی سمندر کو چیرا تھا!

اور (حضرت) یونس علیہ السلام یقیناً مچھلی کے پیٹ میں ٹھہرے رہے تھے!

اور (حضرت) سلیمان علیہ السلام نے حقیقت میں جنوں، انسانوں اور پرندوں پر حکومت کی تھی!

اور (حضرت) نوح علیہ السلام پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان سچ مچ کشتی پر سوار ہوئے تھے! اور چھری نے (حضرت) اسماعیل علیہ السلام کو کبھی ذبح نہیں کیا تھا!

نبوی قصے بھی قرآنی قصوں کی طرح وحیِ الٰہی ہیں جن میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

پس یہ "ابوزید ہلالی" کی داستانوں جیسی مبالغہ آرائیاں نہیں ہیں،

اور نہ ہی یہ "جلجامش" کی لایعنی داستان اور لافانی بوٹی کی اس کی کھوج ہے،

اور نہ ہی یہ یونانی اساطیر (ایلیڈ) کے افسانے ہیں اور نہ ہی فارسی کا "شاہنامہ" ہیں!

جب تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں ان انوکھی اور عجیب احادیث کے بارے میں بتائیں، تو اس بات پر کامل یقین رکھو کہ یہ سب حقیقت میں واقع ہوا تھا،

اور اس پر ایمان لانا واجب ہے!

اور یہ کہ اس قصے میں موجود شیر خوار بچہ واقعی گہوارے (جھولے) میں بولا تھا،

بالکل اسی طرح جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دن بولے تھے جب ان کی ماں انہیں اٹھا کر لائی تھیں!

ہم وہ امت ہیں جو نماز اور روزے سے پہلے غیب پر ایمان لاتی ہے!

ہم جنت اور دوزخ پر ایمان رکھتے ہیں،

پل صراط، فرشتوں اور جنوں پر یقین رکھتے ہیں،

اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو برحق مانتے ہیں!

اور یہ سب وہ غیب ہے جسے ہم نے نہیں دیکھا،

اور اگر ہم اس پر ایمان نہ لائیں تو اس کے بعد نہ نماز درست ہوگی اور نہ ہی روزہ!

اے صحابیہ!

ظاہری مظاہر اور چمک دمک سے کبھی دھوکا نہ کھانا، کیونکہ خدا کی قسم! یہ نہایت

فریب کار ہوتی ہے!

اور چیزوں کے صرف ظاہر کو دیکھ کر ان کے بارے میں کوئی فیصلہ مت کرنا، کیونکہ یہ کم عقلی اور نادانی کی علامت ہے!

اگر تم (تخیل میں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ کی گلیوں میں چلو، اور انہیں ان کے سادہ و عاجزانہ لباس میں دیکھو جبکہ بچے ان کے پیچھے اے ابا جان! اے ابا جان! پکارتے ہوئے دوڑ رہے ہوں،

توتم (ظاہر کو دیکھ کر) کہہ اٹھو گی: سبحان اللہ! یہ تو کتنے سادہ اور عام سے انسان ہیں!

حالانکہ وہ انبیاء کے بعد کائنات کے سب سے بہترین انسان ہیں!

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (سچے) ساتھی اور غارِ ثور میں آپ کے رفیق ہیں،

مرتدین کو سیدھا کرنے والے اور کلمہِ توحید کا دفاع کرنے والے ہیں!

اور اگر تم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ کی پگڈنڈیوں پر چلو، اور انہیں ان کے پیوند لگے کرتے (لباس) میں چلتے ہوئے دیکھو،

توتم (ظاہر کو دیکھ کر) کہو گی: یہ تو کوئی مسکین شخص ہے جسے کوئی اچھا اور نفیس لباس میسر نہیں! حالانکہ یہ وہ ہستی ہیں جنہیں دیکھ کر شیطان اپنا راستہ بدل لیتا اور بھاگ کھڑا ہوتا ہے!

وہ اس امت کے "فاروق" ہیں،

بڑی بڑی سلطنتوں اور امپراطوریوں کو پاش پاش کرنے والے ہیں،

وہ مردِ جری ہیں جنہوں نے عدل وانصاف کی بنیادیں استوار کیں اور شریعتِ الٰہی کو نافذ کیا!

اور اگر تم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کسی درخت پر چڑھتے ہوئے دیکھو،

توتم ان کی پتلی اور نحیف پنڈلیوں کو دیکھ کر ہنس پڑو، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (محبت

اور حیرت سے) ہنس پڑے تھے،

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں (حقیقت سے) خبردار کرتے ہوئے فرمایا: یقیناً یہ دونوں پتلی پنڈلیاں قیامت کے دن میزانِ عمل میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہیں!

اور اگر تم (عہدِ رسالت کے) مسجدِ نبوی میں داخل ہو جاؤ۔۔۔

اور تم (وہاں) حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کو اصحابِ صفہ کے درمیان دیکھو، اور صفہ مسجد میں وہ جگہ تھی جو ان مساکین کے لیے وقف تھی جنہیں کھانے کو کچھ میسر نہ ہوتا تھا؛

تو تم (ظاہر کو دیکھ کر) کہہ اٹھو گی: ہائے، ان مساکین کا کیا حال ہے!

حالانکہ یہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز دان (صاحبِ سر) ہیں!

اور یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے کثرت سے احادیث روایت کرنے والے ہیں!

اے صحابیہ!

ہر مشہور انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کی حالت پر رشک (غبطہ) کیا جائے،

بلکہ بعض لوگ اپنی شہرت اور دولت کے باوجود اس لائق ہوتے ہیں کہ ان پر ترس کھایا جائے!

ابو جہل (اپنے وقت میں) بڑی شان و شوکت سے چلتا، رعب جماتا، اکڑتا اور چنگھاڑتا تھا، مگر اس نے اس امت کے "فرعون" ہونے کا رسوا کن تمغہ پایا!

اور نہ ہی ہر گمنام انسان اس قابل ہوتا ہے کہ اسے حقیر اور بے قیمت سمجھا جائے!

کچھ لوگ ایسے گمنام ہیں کہ ان کی شہرت نہ ہونے کے باوجود ہم تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہم ان جیسے ہوتے!

حضرت براء بن مالک (رضی اللہ عنہ) پریشان بالوں والے، گرد آلود چہرے والے اور دو پرانے کپڑوں میں ملبوس رہنے والے شخص تھے،

جنہیں لوگ (ان کی ظاہری حالت کی وجہ سے) دروازوں سے دھتکار دیتے تھے اور کوئی ان کی پروا نہیں کرتا تھا،

لیکن ان کا مرتبہ یہ تھا کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا لیتے تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا فرما دیتا!

شہرت سراسر ایک فتنہ ہے، سوائے اس کے جو خالص اللہ کے لیے ہو!

اور مال سراسر ایک فتنہ ہے، سوائے اس کے جو اللہ کی راہ میں خرچ ہو!

اور علم بھی سراسر ایک فتنہ ہے، سوائے اس کے جو اللہ کی ذات کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنے!

پس اپنی آنکھوں کو ان (ظاہری) چیزوں کی طرف مت لگاؤ جو دنیا میں تمہارے علاوہ دوسروں کو دی گئی ہیں؛

کیونکہ آخر کار یہ سب ختم ہو جانے والا عارضی سامان ہے،

اور (ناشکری کرنے والوں کے لیے) ایک مؤخر کیا ہوا عذاب ہے!

اس قصے میں جو سوار (گھڑسوار) تھا،

وہ ظاہر میں نہایت رعب دار اور پُرشکوہ نظر آتا تھا،

لیکن حقیقت میں وہ ایک ظالم اور جابر انسان تھا!

اور وہ لونڈی ظاہر میں تو ایک قصوروار اور مسکین نظر آ رہی تھی،

لیکن حقیقت میں وہ (گناہ سے) بالکل بَری اور اللہ کی محبوب تھی!

پس تم بھی آخرت کی بیٹی بن جاؤ!

اے صحابیہ!

ہم (بسا اوقات) اللہ سے کچھ چیزیں مانگتے ہیں مگر وہ ہمیں عطا نہیں فرماتا،

یہ اس لیے ہے کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے!

جب اللہ ہمیں کسی چیز سے محروم رکھتا ہے،

تو یہ عطا نہ کرنا بھی ہم پر اس کی رحمت کی وجہ سے ہوتا ہے!

ہم سب نے زندگی میں کچھ چیزوں کی بڑی شدت سے تمنا کی،

اور ہم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ ان کے بغیر ہماری زندگی دوزخ بن جائے گی،

پھر ہم نے اللہ سے دعائیں مانگیں،

مگر اس نے ہماری دعا (بظاہر) قبول نہ فرمائی!

پھر جب دن گزرے (اور وقت بیتا)، تو ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اگر وہ چیزیں ہمیں مل جاتیں تو اصل دوزخ تو وہی تھا!

ہم انسانوں کی نظر بہت محدود ہے،

اور ہماری سوچ ناقص ہے،

اور ہم اس کائنات کے پورے منظر نامے میں سے صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہی دیکھ پاتے ہیں جسے ہم پورا منظر سمجھ بیٹھتے ہیں!

اگر تم (حضرت خضر علیہ السلام کی) اس کشتی کے مسافروں میں سے ہوتیں جس میں انہوں نے سوراخ کیا تھا،

تو شاید تم بھی کہہ اٹھتیں: کیا ہم مساکین کے لیے یہ کافی نہیں تھا کہ اب ہماری روزی کے اس واحد ذریعے کو بھی خراب کر دیا گیا؟!

پھر جب غیب کے پردے ہٹتے ہیں تو تم پر یہ حقیقت کھلتی ہے:

اگر کشتی میں یہ سوراخ نہ کیا جاتا، تو پوری کی پوری کشتی ہی (ظالم بادشاہ کے غصب کرنے سے) ضائع ہو جاتی!

اور اگر تم اس معصوم بچے کی ماں ہوتیں جسے حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا،

تو شاید تم (شدتِ غم میں) پکار اٹھتیں: اے میرے رب! اس چھوٹے سے بچے کا کیا قصور تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا؟!

پھر جب غیب کے پردے چاک ہوتے ہیں اور حقیقت سامنے آتی ہے تو تم پر یہ واضح ہوتا ہے: اگر وہ بچہ زندہ رہتا، تو وہ تم سے تمہارا دین ہی چھین لیتا (اور تمہیں کفر پر مجبور کر دیتا)!

پس پاک ہے وہ ذات جو کبھی کبھار ہماری دنیا کو اس لیے مکدر (پریشان کن) کر دیتا ہے،

تاکہ وہ ہمارے دین کی حفاظت فرما سکے؛ کیونکہ اگر ہمارا دین ہی بگڑ گیا تو اس کے بعد پوری دنیا مل کر بھی ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی!

اے صحابیہ!

اللہ کے محروم کرنے (نہ دینے) کو اس طرح دیکھو کہ وہ ایک "عطا" ہی ہے، تمہارا دل سکون پا جائے گا؛

بے شک اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے طریقوں سے محفوظ رکھتا ہے جنہیں ہم سمجھ بھی نہیں پاتے!

کسی بزرگ (صالح انسان) کا قول ہے:

جب میں اللہ سے کسی چیز کے لیے دعا کرتا ہوں اور وہ مجھے مل جاتی ہے،

تو مجھے ایک بار خوشی ہوتی ہے؛ لیکن جب میں دعا کرتا ہوں اور مجھے (وہ چیز) نہیں ملتی، تو میری خوشی دس گنا بڑھ جاتی ہے!

کیونکہ (پہلی صورت میں) وہ میری پسند تھی جو مجھے ملی،

اور (دوسری صورت میں) یہ اللہ کا انتخاب ہے جو اس نے میرے لیے پسند فرمایا!

پس دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور اپنے رب سے جو چاہو مانگو؛

کیونکہ وہ اپنے بندے کی پکار کو سننا پسند فرماتا ہے۔

ایک روایت (اثر) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

اے موسیٰ! مجھ سے اپنی سواری کا چارہ بھی مانگو،

اپنے جوتے کا تسمہ بھی مانگو، اور اپنے آٹے کا نمک بھی مانگو!

پھر اگر تمہیں اپنی دعا کا جواب (قبولیت کی شکل میں) مل جائے،

تو اللہ کا ایک بار شکر ادا کرو، اور اگر تمہیں محروم رکھا جائے (دعا بظاہر پوری نہ ہو)، تو اللہ کا دو بار شکر ادا کرو!

کیونکہ سراسر بھلائی اسی میں تھی کہ تمہیں اس چیز سے روک دیا جائے!

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اگر غیب کے پردے ہٹا دیے جائیں،

تو انسان اپنے لیے اس تقدیر کے علاوہ کچھ اور منتخب نہ کرتا جو اللہ نے پہلے ہی اس کے لیے چن رکھی ہے!

پس اللہ کے ساتھ اپنے گمان کو ہمیشہ اچھا رکھو!

صدقہ!

تم بھی تو ایک صحابیہ ہو!

تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات سننا پسند ہے،
اور وہ واقعات تمہیں اچھے لگتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے درمیان پیش آئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سبھی گھر ایک جیسے ہوتے ہیں، اور انسان تو آخر انسان ہی ہیں۔
چنانچہ تم چاہتی ہو کہ تمہاری زندگی تمہارے نبی اور تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کی پیروی اور اطاعت کا نمونہ بن جائے۔

اور دیکھو،

اب تم نبوت کے گھرانے کے ایک ایسے ہی واقعے کے روبرو ہو،
جس کے بارے میں تمہیں تمہاری ماں حضرت عائشہ بنتِ صدیق رضی اللہ عنہا بتا رہی ہیں:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکری ذبح فرمائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ اس کا صدقہ کر دیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے باہر تشریف لے گئے تاکہ مسلمانوں کے احوال دیکھیں اور انہیں اپنے رب کا پیغام پہنچائیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس لوٹے تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا: "بکری میں سے کیا باقی بچا ہے؟"

تو انہوں نے عرض کیا: اس کے شانے (دست) کے سوا کچھ باقی نہیں بچا! (یعنی سب صدقہ ہو گیا)

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اس کے شانے کے سوا وہ پوری کی پوری باقی بچ گئی ہے!"

اے صحابیہ!

اس عظیم جواب پر ذرا غور وفکر کرو: "اس کے شانے کے سوا وہ پوری کی پوری باقی بچ گئی ہے!"

عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتارہی تھیں کہ بکری (کا گوشت) صدقات میں جاچکا ہے،

مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں خبر دے رہے تھے کہ جو صدقہ کر دیا گیا وہی اصل میں باقی رہنے والا ہے!

اور یہ کہ انسان کا پورا مال ختم ہو جانے والا ہے، سوائے اس مال کے جسے وہ اپنے سے پہلے قبر میں بھیج دے! جو مال اس وقت تمہارے پاس (جیب میں) موجود ہے،

وہ اصلاً تمہارا نہیں ہے،

وہ تو پنساری کی دکان، پیٹرول پمپ، بجلی کے بل اور دوا کی قیمت کے لیے ہے!

وہ تو کپڑے بیچنے والے، تندور والے، بازار اور گھریلو اشیاء کی دکانوں کے لیے ہے!

اور جسے خرچ کرنے کے لیے تمہاری زندگی نے تمہارا ساتھ نہ دیا، تو وہ تمہارے بعد تمہارے وارثوں کا مال ہے!

تمہارا اصل اور حقیقی مال تو صرف وہ صدقات ہیں جنہیں تم اللہ کے ہاں ذخیرہ (جمع) کر رہی ہو!

بکری کا وہ شانہ (دست) جو (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس باقی بچ گیا تھا، وہ تو کھا لیا جائے گا اور ختم ہو جائے گا،

لیکن بکری کا جو حصہ انہوں نے صدقات کی صورت میں بھیج دیا، وہ ہمیشہ کے لیے

باقی رہ گیا! بے شک یہ تمہارے لیے آخرت کے بینک میں محفوظ کر دیا گیا ہے!

(تمہاری نیکیوں کے) سیونگ اکاؤنٹ (دفترِ توفیر) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان درج ہے:

"جس نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کیا، اور اللہ تو صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول فرماتا ہے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے، پھر اسے صدقہ کرنے والے کے لیے اس طرح بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچھڑے کو پالتا ہے، یہاں تک کہ وہ (ایک کھجور کا صدقہ بڑھ کر) پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے!"

اے صحابیہ!

(حضرت) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ (محترمہ حضرت) زینب رضی اللہ عنہا مال دار خاتون تھیں، جبکہ ان کے شوہر (حضرت عبداللہ) غریب (تنگ دست) تھے؛

انہوں نے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو، خواہ اپنے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ دوزخ والوں میں سب سے زیادہ تعداد تمہاری ہی ہے!"

چنانچہ وہ اپنے شوہر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا:

"اے عبداللہ! آپ ایک ایسے انسان ہیں جن کا ہاتھ ہلکا ہے (یعنی آپ غریب ہیں)، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے؛ پس آپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیجیے،

کہ اگر میرا آپ پر (اپنا مال) خرچ کرنا میری طرف سے صدقہ مانا جا سکتا ہے تو میں آپ کو دے دوں، ورنہ میں اسے آپ کے علاوہ دوسروں پر خرچ کر دوں!"

تو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "بلکہ تم خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر

پوچھ لو!"

چنانچہ وہ روانہ ہوئیں، اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر پہنچیں تو وہاں ایک انصاری خاتون کو بھی موجود پایا،

وہ (انصاری خاتون) بھی بالکل وہی سوال پوچھنے آئی تھیں جس کے لیے زینب رضی اللہ عنہا آئیں تھیں،

چنانچہ ان دونوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، تو (حضرت) بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ان کے پاس باہر تشریف لائے۔

ان دونوں نے ان سے کہا: "آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو عورتوں کے بارے میں دریافت کیجیے،

کہ کیا ان کا اپنے شوہروں پر، اور اپنی گود میں موجود یتیم بچوں پر صدقہ کرنا جائز (کافی) ہوگا؟"

پس بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"انصار کی ایک خاتون اور زینب آپ سے پوچھ رہی ہیں کہ کیا ان کا اپنے شوہروں پر صدقہ کرنا جائز ہوگا؟"

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: "کون سی زینب؟"

انہوں نے عرض کیا: "(حضرت) عبداللہ بن مسعود کی زوجہ۔"

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "ان دونوں کے لیے دوہرا اجر ہے؛ ایک رشتہ داری کا اجر، اور دوسرا صدقے کا اجر!"

پس تم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ درس یاد رکھو!

سب سے افضل صدقہ وہ ہے جو رشتہ داروں پر کیا جائے!

اگر تم مال دار خاتون ہو، اور اللہ نے تمہیں اس مال کا مکمل مالک بنایا ہے،
اور تمہارا شوہر غریب اور تنگ دست ہے، تو جو کچھ بھی تم اسے دو گی وہ سب تمہاری طرف سے صدقہ ہی شمار ہو گا!
بلکہ اس میں تمہارے لیے دوہرا اجر ہو گا:
ایک صدقے کا اجر، اور دوسرا اپنا کچھ مال دے کر اپنے شوہر کا دل جیتنے اور محبت بڑھانے کا اجر!

اور اگر تم بیوہ یا طلاق یافتہ ہو، اور تمہارے پاس تمہارے بچے موجود ہیں،
تو جو کچھ بھی تم ان پر خرچ کرو گی، وہ سب تمہارے لیے صدقہ لکھ دیا جائے گا!
اس لیے اپنے صدقات کے لیے ہمیشہ سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تلاش کیا کرو؛
کسی ایسی بہن کو دیکھو جس کے حالات تنگی کا شکار ہوں اور اس کا شوہر غریب ہو،
کسی ایسے بھائی کو دیکھو جس کے بچے ہوں اور اس کی تنخواہ بمشکل اس کی ضرورت پوری کرتی ہو،
کسی چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ کو دیکھو جنہیں اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ نہیں دیا جو تمہیں عطا فرمایا ہے؛
کیونکہ یہ عمل تمہیں ان کے دلوں میں ایک عظیم مقام عطا کرے گا،
اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تو اس سے بھی کہیں زیادہ بڑا مقام دلائے گا!

اے صحابیہ!

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا تھا:
""تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی (جس کا انتقال پہلے ہو گا) جس کا

ہاتھ سب سے لمبا ہوگا!"

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سے مراد یہ تھی کہ جو سب سے زیادہ صدقہ کرنے والی ہوگی!

چنانچہ تمہاری ماں (ام المومنین حضرت) زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملیں؛

کیونکہ ان کا اپنا ایک ہنر (پیشہ) تھا، وہ چمڑا رنگنے اور سلائی کڑھائی کا کام کرتی تھیں،

اور اس سے ہونے والی کمائی سے فقراء اور مساکین پر کثرت سے صدقہ و خیرات کرتی تھیں، پس وہ اپنی قابلیت اور اہلیت کی بنا پر اس نبوی اعزاز (تمغہ) کی مستحق بنیں،

کہ وہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سب سے زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والی اور سخی تھیں!

پس تم بھی اس میدان (مضمار) میں آگے بڑھنے کی دوڑ لگاؤ!

اگر تمہاری کوئی ملازمت ہے اور تمہاری اپنی کوئی آمدنی ہے، تو اپنے لیے ایک مستقل صدقہ جاریہ مقرر کرلو، خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو؛

جیسے کسی غریب کے لیے دوا کا ایک ڈبہ جسے ہر مہینے اس دوا کی ضرورت ہوتی ہو،

یا کسی غریب ماں کے پاس موجود یتیم بچوں کی کفالت جن کی دیکھ بھال وہ کرتی ہو،

یا کسی سفید پوش، غیرت مند خاندان کے لیے ایک چھوٹی سی رقم!

کتنا ہی خوبصورت ہوگا کہ تم اپنے خاندان میں "سب سے لمبے ہاتھ والی" (سب سے زیادہ سخی) بن جاؤ!

اور اگر تم ملازمت نہیں کرتیں اور تمہاری اپنی کوئی آمدنی نہیں ہے،

تو گھر کے خرچ (پاکٹ منی) ہی میں سے کچھ بچا کر صدقہ کردو، خواہ مہینے میں ایک درہم یا ایک دینار ہی کیوں نہ ہو،

یا اپنے غریب پڑوسیوں کے لیے کھانے کی ایک پلیٹ بھیج دیا کرو،

یا وہ کپڑے جن کی تمہیں اب ضرورت نہیں رہی، انہیں کسی ضرورت مند کو دے دیا کرو؛ کیونکہ صدقہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے سب سے کشادہ اور بڑے دروازوں میں سے ایک ہے!

اے صحابیہ!

(ام المومنین حضرت) زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا کو مساکین پر کثرت سے صدقہ و خیرات کرنے کی وجہ سے "ام المساکین" (مسکینوں کی ماں) کہا جاتا تھا!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی یہ صفت بہت پسند آئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمالیا۔

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھوڑا ہی عرصہ رہیں اور پھر وفات پا گئیں؛

تاکہ وہ اس دنیا سے دو عظیم ترین فتوحات (اعزازات) کے ساتھ رخصت ہوں:

ایک "ام المساکین" کا لقب، اور دوسرا "ام المومنین" (مومنوں کی ماں) کا مرتبہ!

آخرت سے پہلے دنیا ہی میں صدقے کے اجر پر ذرا غور کرو؛

جب وہ اپنے مال کے ذریعے مسکینوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتی تھیں،

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ان کا دل جوڑ دیا (اور انہیں ام المومنین بنا دیا)!

پس اگر تمہاری کوئی تمنا ہے، تو صدقے کے ہاتھ سے اس کا دروازہ کھٹکھٹاؤ؛

خواہ وہ کوئی ملازمت ہو جسے تم پانا چاہتی ہو،

یا کوئی یونیورسٹی کا سکالرشپ (منحہ) ہو،

یا کوئی کامیابی اور توفیق ہو،

یا کوئی ایسا شخص ہو جسے اللہ نے تمہارے دل میں ڈال دیا ہو،

پھر تم نے پاکدامنی اختیار کی اور اپنے دل میں صبر کیا؛
پس صدقہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو!
اور اس بات پر کامل یقین رکھو کہ اگر اس چیز میں تمہارے لیے بھلائی ہوئی،
تو اللہ تعالیٰ اسے خود کھینچ کر تمہارے دروازے تک لے آئے گا؛
کیونکہ دعا کی قبولیت کے بہترین اوقات میں سے وہ وقت بھی ہے جب انسان کوئی نیکی (بھلائی) کرنے کے بعد اپنے رب سے دعا مانگتا ہے!
(جیسے) حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے شہر میں خوفزدہ اور چوکنا ہو کر پہنچے؛
نہ ان کا کوئی گھر تھا، نہ بیوی تھی اور نہ ہی کوئی ملازمت تھی!
وہ ایک ایسے بستی میں بالکل اجنبی اور تنہا انسان تھے جہاں وہ کسی کو نہیں جانتے تھے۔
تب انہوں نے پانی کے کنویں پر کچھ مردوں کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے تھے،
اور پانی کے پاس ہی دو عورتیں بھی تھیں جو (مردوں کی بھیڑ کی وجہ سے الگ کھڑی) اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں۔۔۔
پس جب سب مرد وہاں سے چلے گئے، تو موسیٰ علیہ السلام ان دونوں کی مدد کے لیے آگے بڑھے،
چنانچہ انہوں نے ان دونوں کی (بکریوں) کو پانی پلا دیا، پھر وہ ایک سائے کی طرف لوٹ گئے اور آرام کرنے لگے،
اور انہوں نے اپنے رب سے دعا کرتے ہوئے عرض کیا: "اے میرے رب! تو جو بھلائی بھی میری طرف نازل فرمائے، میں اس کا محتاج ہوں!"
پس وہ دن ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ان کے پاس گھر بھی تھا، بیوی بھی تھی اور ملازمت بھی تھی!

چنانچہ جب تم اللہ سے وہ چیز چاہو جو تمہیں پسند ہے،

تو پہلے اس کے حضور وہ چیز پیش کرو جو اسے (اللہ کو) پسند ہے!

اور اللہ کے ہاں صدقے سے بڑھ کر محبوب کوئی چیز نہیں ہے؛

کیونکہ اس میں اس کے بندوں کی دلجوئی (ٹوٹے دلوں کو جوڑنا) ہے،

ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے، اور ان کی عزتِ نفس کی بحالی ہے!

پس تم اللہ کی ہو جاؤ، اللہ تمہارا ہو جائے گا!

جلدی مت کرو!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

تم اپنے دین کی باریک ترین تفصیلات کو جاننا چاہتی ہو،

کیونکہ تم یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت جہالت کے ساتھ نہیں کی جاسکتی!

اور یہ کہ انسان کا فہم (سمجھ بوجھ) جتنا سیدھا اور درست ہوگا، اس کے سامنے حکمت اتنی ہی عیاں ہوتی چلی جائے گی!

اور دیکھو، آج تم اپنے نبی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں موجود ہو،

اور تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سن رہی ہو:

"تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے؛ (جلدی کرنا یہ ہے کہ) وہ کہنے لگے: میں نے دعا کی تھی مگر میری دعا قبول ہی نہیں ہوئی!"

اے صحابیہ!

بے شک اللہ تعالیٰ گڑگڑا کر اور بار بار مانگنے والے بندے کو پسند فرماتا ہے۔

تمہاری ماں (ام المومنین حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی، پھر دعا فرمائی، اور پھر دعا فرمائی!"

اور غزوہِ بدر کے دن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے لشکر کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ رخ ہو کر اپنے ہاتھ اٹھائے اور گڑگڑا کر پکارنے لگے:

"اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے، اسے پورا کردے!

اے اللہ! اگر آج اہل اسلام کی یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی،

تو پھر زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی!"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں سے نیچے گر گئی۔

تب (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، انہوں نے چادر اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر ڈالی،

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (نہایت محبت سے) عرض کیا: "اے اللہ کے نبی! بس کیجیے، آپ نے اپنے رب سے بہت التجا کر لی، بے شک وہ آپ سے کیا ہوا اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا!"

اے صحابیہ!

اگر اللہ کے ہاں تمہاری کوئی حاجت ہے، تو گڑگڑا کر اور اصرار کے ساتھ اسے مانگو،

اور جواب (قبولیت) میں تاخیر کی وجہ سے کبھی دعا کرنا مت چھوڑو!

شاید اللہ تعالیٰ تمہاری پکار کو (بار بار) سننا پسند فرماتا ہے!

اپنی دعا کو دہراتی رہو، اور اس سے کبھی ملال (اکتاہٹ) محسوس نہ کرو،

اور اپنی دعاؤں کے لیے قبولیت کے اوقات تلاش کرو،

کیونکہ ان اوقات میں قبولیت کی امید دوسروں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے!

پس جب مؤذن اذان سے فارغ ہو جائے،

تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے "وسیلہ" (مقامِ محمود) کی دعا مانگو، پھر سب پر غالب ذات (الجبار) کے حضور اپنی حاجت پیش کر دو!

اور جب بارش برسنے لگے تو کہو: "اے اللہ! اسے نفع بخش بارش بنا دے!"

پھر حقیقی بادشاہ (الملیک) کے حضور اپنی حاجت پیش کر دو!

اور جب تم کعبہ پر نظر ڈالو، تو کہو: "اے اللہ! اس گھر کی عظمت اور شرف میں مزید اضافہ فرما!" پھر سب کچھ عطا کرنے والے (المعطی) کے حضور اپنی حاجت پیش کر دو!

اور جب تم سجدے میں ہو تو اپنا سر اٹھانے میں جلدی نہ کرو،

سجدے میں ہی اپنی حاجت مانگو کیونکہ اس وقت تم اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہو!

اور کسی مسکین کے گھر کا رخ کرو، اور اس کے ہاتھ میں چپکے سے صدقہ رکھ دو!

یا کسی ایسے مریض کے پاس جاؤ جو اپنی دوا کی قیمت نہیں پاتا،

اور اسے دوا خرید کر دے دو!

یا کسی ایسی بیوہ کے پاس جاؤ جو بچوں والی ہو، اور اپنے ساتھ کچھ کھانا اور کپڑے لے جاؤ! یا کسی ایسی خاتون کے پاس جاؤ جس نے اپنے باپ، بھائی یا کسی پیارے کو کھو دیا ہو،

پس اس کی عیادت (تعزیت) کرو اور اسے تسلی دو!

اور بس وہیں (ان ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس) اپنی حاجت الٰہی کے حضور پیش کر دو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس ہی ہوتا ہے!

اے صحابیہ!

بسا اوقات (دعا کی) قبولیت میں تاخیر کسی ایسے گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے جس پر تم قائم ہو، اور سب پر غالب ذات (الجبار) تمہاری توبہ کا انتظار کر رہا ہوتا ہے تاکہ تمہیں عطا فرمائے!

(ایک بار) حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر نمازِ استسقاء (بارش کی دعا) کے لیے نکلے،

جبکہ زمین قحط سالی کا شکار ہو چکی تھی اور لوگ ہلاکت کے قریب تھے،

مگر نماز کے باوجود بارش نہ برسی!

تب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان کے درمیان ایک گناہگار (نافرمان) بندہ موجود ہے،

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو اس بات کی خبر دی اور مطالبہ کیا کہ یہ گناہگار ان کے درمیان سے نکل جائے،

پھر چند ہی لمحات گزرے تھے کہ موسلا دھار بارش برسنے لگی!

تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے بارش کے نازل ہونے کی وجہ دریافت کی،

باوجود اس کے کہ وہ گناہگار شخص ان کے درمیان سے باہر نہیں نکلا تھا،

تب اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ اس گناہگار بندے نے میرے اور اپنے درمیان (خاموشی سے) توبہ کر لی ہے!

تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے اس (بندے) کے بارے میں پوچھا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! جب وہ میرا نافرمان تھا تب تو میں نے اس کا عیب چھپائے رکھا، تو اب جبکہ وہ توبہ کر چکا ہے میں اسے کیسے رسوا کروں؟!

جب ایک پوری امت محض ایک گناہگار کی وجہ سے بارش (کی نعمت) سے محروم کر دی گئی؛ تو یہ بات بدرجہ اولیٰ ممکن ہے کہ ایک انسان خود اپنے ہی گناہ کی وجہ سے اپنی دعا کی قبولیت سے محروم کر دیا جائے!

پس اگر تمہاری کوئی دعا تاخیر کا شکار ہے تو اپنے نفس کا محاسبہ کرو!

اپنے کسی ایسے گناہ پر نظر ڈالو جسے چھوڑنے کی ضرورت ہے،

کیونکہ شاید وہی گناہ تمہاری دعا اور اس کی قبولیت کے درمیان حائل ہو رہا ہے!

بے شک اللہ تعالیٰ نے مانگنے کا حکم ہی اس لیے دیا ہے کیونکہ وہ عطا کرنا چاہتا ہے،

اور بہت سے احوال میں محرومی کی وجہ خود ہمارے ہی اندر چھپی ہوتی ہے،

پس اپنے نفس کا محاسبہ کرو!

اے صحابیہ!

ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: مجھے کوئی وصیت فرمائیے!

تو انہوں نے اس سے فرمایا: اپنی روٹی کو دیکھو کہ وہ کہاں سے آئی ہے!

یعنی: ہمیشہ رزقِ حلال تلاش کرو!

بے شک مالِ حرام دعا اور اس کی قبولیت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے،

اور حدیثِ شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی اسی چیز کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے رسولوں کو دیا تھا؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (رسولوں سے) فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا﴾

(اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو)۔

اور (مومنوں سے) فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ﴾

(اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ فرمایا جو طویل سفر کرتا ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے اور بدن گرد آلود ہے، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر پکارتا ہے: "اے میرے رب! اے میرے رب!"

حالانکہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے، اور اس کی پرورش ہی حرام سے ہوئی ہے؛ تو بھلا ایسے شخص کی دعا کیسے قبول کی جائے؟!

پس اگر تمہاری دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو رہی ہے تو اپنی آمدنی کے ذرائع پر نظر ڈالو؛

شاید تمہاری کسی تجارت یا کام میں کوئی حرام چیز شامل ہو گئی ہو،
چنانچہ پہلے اس کی اصلاح کرو، پھر قبولیت کی خوشخبری پاؤ!

اے صحابیہ!

تابعین میں سے ایک بزرگ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ وہ ان کے لیے جہاد (کی راہ) کو آسان فرما دے،

مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس کا راستہ آسان نہ فرمایا۔

جب انہوں نے قبولیت نہ ہونے پر حیرت کا اظہار کیا، تو انہوں نے خواب میں کسی کہنے والے کو کہتے سنا:

"اگر تم نے غزوہ (جنگ) کیا تو تم قیدی بنا لیے جاؤ گے، اور اگر تم قیدی بن گئے تو تم عیسائی (مرتد) ہو جاؤ گے!"

بے شک اللہ تعالیٰ بسا اوقات ہمیں اس لیے محروم رکھتا ہے کیونکہ وہ ہم سے محبت کرتا ہے!

اور وہ ہمیں اس چیز سے روک دیتا ہے جسے ہم مانگ رہے ہوتے ہیں، کیونکہ اس میں ہمارے لیے نقصان ہوتا ہے۔

اور ہمارے اسلاف (اگلوں) کا یہ حال تھا کہ جب ان کی دعا قبول ہوتی تو وہ ایک بار خوش ہوتے تھے،

اور جب ان کی دعا (بظاہر) قبول نہ ہوتی تو وہ دو بار خوش ہوتے تھے!

کیونکہ قبولیت تو خود انسان کا اپنے لیے انتخاب ہوتی ہے،

جبکہ محرومی (نہ ملنا) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندے کے لیے انتخاب ہوتا ہے،

اور اللہ کا ہمارے لیے انتخاب کرنا ہماری اپنی پسند سے کہیں بہتر ہے!

شاید وہ محبوب (رشتہ) جسے تم نے اللہ سے بڑی شدت اور طویل عرصے تک مانگا،

اور اللہ نے تمھیں اس سے روک دیا؛

(اس کی وجہ یہ ہو کہ) اس کے ساتھ زندگی ایک ناقابلِ برداشت جہنم بن جاتی اور وہ تمھیں تمھارے دین کے معاملے میں فتنے میں ڈال دیتا!

تم تو اس کتاب (منظر نامے) کا صرف کور (غلاف) ہی دیکھ پاتی ہو (حقیقت نہیں)! اور شاید وہ ملازمت جسے تم پانا چاہتی تھیں اور تم اس سے محروم کر دی گئیں؛

کامل نجات اسی میں تھی کہ تم اس ملازمت کو نہ پاتیں!

بے شک اللہ تعالیٰ معاملات کو ایسے حیرت انگیز طریقے سے بدلتا ہے،

جس کا ادراک ہماری محدود انسانی سوچ کر ہی نہیں سکتی؛

پس اللہ کے ساتھ اپنے گمان کو ہمیشہ اچھا رکھو!

اور یہ جان لو کہ اللہ کے فیصلے ہی تمھاری اصل نجات ہیں!

اور اس کا تمھیں کسی چیز سے روک دینا ہی تمھارے لیے اس کا سب سے بڑا عطیہ ہے!

اے صحابیہ!

بسا اوقات دعا کی قبولیت میں اس لیے تاخیر ہوتی ہے کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہوتا،

بعض چیزیں اگر ہمیں وقت سے پہلے مل جائیں، تو یا تو ہم انھیں برباد کر دیتے ہیں یا وہ ہمیں برباد کر دیتی ہیں!

(اس لیے قبولیت سے پہلے) ضروری ہے کہ پہلے کچھ وقت گزر جائے،

اور کچھ اسباب پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں۔

...(تاخیر اس لیے ہوتی ہے) تاکہ ہم میں کچھ سمجھ بوجھ اور پختگی (شعور) پیدا ہو جائے جسے ہم حاصل کر لیں!

اور اگر تم چاہو تو اپنے رب کا یہ فرمان پڑھ لو:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾

(اور جب وہ اپنی پوری جوانی یعنی پختگی کو پہنچ گئے، تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا)۔ بعض عطائیں وقت کے ساتھ مشروط (مرہونِ منت) ہوتی ہیں،

اور شاید تمہاری دعا کی قبولیت کا وقت ابھی نہیں آیا؛

پس دعا کرنا مت چھوڑو، اور انتظار کرو!

اور اپنے رب کا یہ فرمان بھی پڑھ لو:

﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾

اور رہی وہ دیوار، تو وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ دفن تھا، اور ان کا باپ ایک نیک انسان تھا۔ پس تمہارے رب نے یہ چاہا کہ وہ دونوں اپنی پوری پختگی (جوانی) کی عمر کو پہنچ جائیں اور اپنا وہ خزانہ نکال لیں؛ یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک رحمت تھی، اور یہ سب میں نے اپنے اختیار سے نہیں کیا؛ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے!)۔

اگر وہ دونوں یتیم بچے وہ خزانہ وقت سے پہلے (بچپن ہی میں) پا لیتے، تو یقیناً اسے ضائع کر بیٹھتے،

یا پھر لوگ ان سے وہ خزانہ چھین لیتے!

چنانچہ کچھ عطاؤں کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ چھپی رہیں، یہاں تک کہ ان کا موزوں اور مناسب وقت آ جائے!

❁❁❁

گھریلو کام کاج!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

تم یہ چاہتی ہو کہ اپنی (تاریخی) بہنوں یعنی صحابیات کے گھروں میں داخل ہوسکو، تاکہ تم ان کی زندگیوں کو بالکل قریب سے دیکھو!

تم اکثر اپنے آپ سے یہ سوال پوچھتی ہو: ان کے دن رات کیسے گزرتے تھے؟ کیا وہ ہمارے جیسی ہی تھیں؟ کیا وہ کام کاج کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں اور گھر میں جھاڑو دیتی تھیں؟

کیا ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان بھی بالکل وہی باتیں اور گفتگو ہوتی تھی جو آج ہمارے گھروں میں ہوتی ہے؟

اور دیکھو، آج تم ایک ایسے گھر میں داخلے کی منتظر ہو جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت فرماتے تھے، اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر بطورِ زائر، احوال پرسی کرنے والے اور محبت نچھاور کرنے والے بن کر تشریف لایا کرتے تھے۔

تم اس وقت جنت کی خواتین کی سردار (حضرت) فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر میں موجود ہو۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر (حضرت) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے شکایت کر رہی ہیں؛ وہ اپنے گھر کے کام کاج کی وجہ سے ہونے والی شدید تھکن اور مشقت کا ذکر کر رہی ہیں۔ وہ اب انہیں بتا رہی ہیں کہ کیسے انہوں نے چکی پیسی یہاں تک کہ اس کے نشانات ان کے ہاتھوں پر پڑ گئے،

اور کیسے انہوں نے مشکیزے میں پانی بھرا یہاں تک کہ اس کے نشانات ان کی گردن پر آ گئے،

اور کیسے انہوں نے گھر میں جھاڑو دی یہاں تک کہ ان کے کپڑے مٹی سے اٹ (غبار آلود ہو) گئے!

تب (حضرت) علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "تمہارے والد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس کچھ قیدی (غلام) لائے گئے ہیں؛

کاش تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے ایک خادم مانگ لو!"

چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، مگر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ لوگوں کو موجود پایا،

اس لیے وہ ان لوگوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی ضرورت کا تذکرہ نہ کر سکیں، بلکہ انہوں نے (اپنی ماں) عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے آنے کی وجہ بتائی،

اور اپنے گھر واپس لوٹ آئیں۔

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کام کاج سے فارغ ہوئے، تو (حضرت) عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تھکن اور خادم کی طلب کے بارے میں بتایا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے؛

اس وقت وہ اور ان کے شوہر اپنے بستر پر لیٹ چکے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت مانگی، پھر ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

کیا میں تم دونوں کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہارے لیے خادم سے کہیں بہتر ہو؟

جب تم دونوں اپنے بستر پر جاؤ، تو چونتیس (34) مرتبہ "اللہ اکبر" کہو،

اور تینتیس (33) مرتبہ "سبحان اللہ" کہو، اور تینتیس (33) مرتبہ "الحمد للہ" کہو؛

پس یہ تمہارے لیے ایک خادم سے کہیں بہتر ہے!

اے صحابیہ!

یہ جنت کی خواتین کی سردار ہیں،

جو چکی میں اناج پیستی ہیں یہاں تک کہ اس کا اثر ان کے ہاتھوں پر پڑ جاتا ہے،

اور مشکیزے میں پانی بھر کر اٹھاتی ہیں

یہاں تک کہ اس کا نشان ان کی گردن پر آ جاتا ہے،

اور اپنے گھر میں جھاڑو دیتی ہیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے مٹی سے اٹ جاتے ہیں۔

تو کیا اس (گھریلو کام کاج) کی وجہ سے ان کے شوہر، ان کے والد، یا ان کے رب کے ہاں ان کے قدر و منزلت میں کوئی کمی آئی؟

پس تم ان چیخنے چلانے والی (باطل) آوازوں پر کبھی کان نہ دھرنا جو گھروں کو اجاڑنا چاہتی ہیں!

اور جو عورت کے اپنے گھر میں کام کرنے کو ایک قسم کی غلامی بنا کر پیش کرتی ہیں!

یہ لوگ آزادی کے نام پر خاندان کے شیرازے کو بکھیرنا چاہتے ہیں!

اور مساوات کے نام پر بچوں کو سڑکوں پر (بے سہارا) پھینک دینا چاہتے ہیں!

بھلا ایک عورت کا اپنے گھر میں کام کاج کرنا غلامی کہاں سے ہو گیا؟!

اور اپنے بچوں اور شوہر کے لیے کھانا پکانا قید و بند کب سے بن گیا؟!

اور اپنے خاندان کے مفادات اور راحت کا خیال رکھنا توہین کیسے ہو گیا؟!

(حضرت) فاطمہ رضی اللہ عنہا جب اناج پیستی تھیں تا کہ اسے پکائیں، تو وہ ذلیل و خوار نہیں ہو رہی تھیں،

اور جب وہ اپنے گھر کے لیے پانی لاتی تھیں، تو ان کی توہین نہیں ہو رہی تھی،

اور جب وہ جھاڑو دیتی اور صفائی کرتی تھیں، تو ان کی انسانیت میں کوئی کمی نہیں آ

رہی تھی! ان کے شوہر غریب تھے جوان کے لیے خادم لانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے،

تو وہ بھلا کیا کرتیں؟

کیا وہ اپنے بچوں کو سڑک پر پھینک دیتیں اور اپنے باپ کے گھر واپس لوٹ جاتیں؟

کیا یہی آزادی، بہادری اور مساوات ہے؟

یا یہ (اصل میں ذمہ داریوں سے) فرار، عدمِ ذمہ داری اور زندگی کو نہ سمجھنے کا نام ہے؟ اور ان کے والد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں خادم اس لیے نہیں دیا کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ لازم آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی تمام بیٹیوں کو ان جیسی ہی (خادمائیں) دیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی استطاعت نہیں رکھتے تھے!

تو وہ بھلا کیا کرتیں؟

کیا وہ اپنے والد کی نافرمانی کرتیں اور شوہر کی مدد کرنے پر انہیں ملامت کرتیں؟

کیا یہی آزادی، روشن خیالی اور ترقی پسند افکار ہیں؟

یا یہ سراسر نافرمانی، سنگدلی اور خود غرضی ہے؟!

پس تم اپنے کانوں کو ان کے گندے اور غلیظ نظریات کا کوڑا دان مت بناؤ!

انہوں نے اس امت پر نظر ڈالی تو وہ اس بات پر کڑھ اٹھے،

کہ مسلمانوں کے گھر اب تک قائم و دائم ہیں اور منہدم (برباد) نہیں ہوئے!

وہ ہر چیز کے باوجود ایک صابر بیوی کا منظر دیکھ کر تلملا اٹھے،

اور وہ ایک باپ کا منظر دیکھ کر کڑھ اٹھے جو دن رات محنت کرتا ہے تاکہ اپنے خاندان کی عزت پردے میں رکھ سکے،

وہ ایسے گھروں کو دیکھ کر جل بھن گئے جہاں نمازیں قائم کی جاتی ہیں اور لوگ افطار کے دسترخوان پر اکٹھے بیٹھتے ہیں،

اور وہ حجاب اور عفت و پاکدامنی کو دیکھ کر تپ اٹھے!

اور وہ اس سب کو تب تک مسمار (برباد) نہیں کر سکتے جب تک کہ عورت کو اس کے گھر سے باہر نہ نکال لیں؛

کیونکہ وہی تو خاندان کا ستون ہے، اور اس کے استحکام کا اصل سرچشمہ ہے!

اے صحابیہ!

اگر تم یہ کہو کہ گھر کا کام کاج بہت کٹھن ہے،

تو اس بات پر ہم دس کی دس انگلیوں سے مہر لگانے (یعنی تمہاری مکمل تائید کرنے) کو تیار ہیں! اور اگر تم کہو کہ یہ نڈھال کر دینے والا کام ہے،

تو ہم بھی تمہارے ساتھ مل کر یہی بات دہرائیں گے اور اس میں کوئی شک نہیں!

لیکن کیا زندگی کا نام یہی نہیں ہے؟ اور کیا (اس دنیا میں) ہر انسان کا اپنا ایک کردار نہیں ہے؟ کیا ہر کام میں اپنی ایک مشقت نہیں ہوتی؟

تمہیں تمہارے رب کی قسم! ذرا اپنے ارد گرد نظر دوڑاؤ اور مجھے بتاؤ، کیا کوئی ایسا کام ہے جس میں مشقت نہ ہو؟!

لوگ روٹی کے ایک نوالے کی تلاش میں زندگی کی چٹانوں کو کھود رہے ہیں (سخت محنت کر رہے ہیں)،

یہاں تک کہ وہ ملازمتیں جو تمہیں دور سے بہت آسان دکھائی دیتی ہیں،

ان کے اندر بھی ایسی مشقتیں پوشیدہ ہیں جو تمہاری نظروں سے اوجھل ہیں!

صدارتی محل کے محافظ (سیکیورٹی گارڈز) طویل گھنٹوں تک مسلسل کھڑے رہتے ہیں، اور بینکوں، دفاتر اور ڈیسک جاب کرنے والے ملازمین،

ان میں سے اکثر لوگ ڈسک پرابلم (کمر کے مہروں کی تکلیف)، ہڈیوں اور

جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتے ہیں! کیا ایک فوجی کا کام آسان ہے؟

یا اس ڈاکٹر کا کام آسان ہے جسے گہری اور میٹھی نیند سے کسی ہنگامی صورتحال (ایمرجنسی کیس) کے لیے بیدار کر لیا جاتا ہے؟!

یہاں تک کہ بڑے بڑے سیاستدان بھی ہر وقت ایک نہ ختم ہونے والی فکر اور تشویش میں گھِرے رہتے ہیں!

اے صحابیہ! اس سیارے (دنیا) پر کہیں بھی چین اور راحت نہیں ہے!

ہر کامیابی کے ساتھ تھکن کا ہونا لازمی ہے،

اور ہر عظیم کام کے پیچھے نڈھال کر دینے والی مشقت کا ہونا ناگزیر ہے!

لوگوں کو چھوڑو، ذرا اس وقت کائنات کے نظام پر غور کرو؛

کیا چڑیا تنکا تنکا چن کر اپنا گھونسلا نہیں بناتی؟

کیا شہد کی مکھیاں رس کی تلاش میں طویل مسافتیں طے نہیں کرتیں؟

کیا چیونٹیاں دن رات محنت نہیں کرتیں؟

کائنات کی ہر چیز کام کر رہی ہے، کوشش کر رہی ہے، اور تھکن محسوس کرتی ہے،

اور تم بھی تو اسی کائنات اور اسی سیارے کی بیٹی ہو؛ پس تم بھی کام کرو، اللہ تمہارا اجر لکھ دے گا!

اے صحابیہ!

عورت کا خادمہ (میڈ) رکھ لینا کوئی بری بات نہیں ہے،

اور وہ شوہر نہایت شریفِ نفس (نبیل) ہے جو استطاعت رکھنے پر بیوی کی مدد کے لیے خادمہ کا انتظام کر دیتا ہے اور ایسا کرتا ہے؛

لیکن اگر عورت کو خادمہ نہ بھی ملے، تو یہ دنیا کا خاتمہ نہیں ہے!

اور نہ ہی عورت کا اپنے گھر میں کام کرنا شادی کا انجام (شادی کی ناکامی) ہے!

یہ تو اس کا وہ فریضہ ہے کہ اگر وہ اسے سرانجام دے گی تو اجر وثواب پائے گی،

بالکل اسی طرح جیسے شوہر کا فریضہ گھر سے باہر کام کرنا اور مال (روزی) کمانا ہے،

اور وہ یہ کام کرنے پر اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے!

پس تم جو کچھ بھی (گھر کے لیے) کرتی ہو، اس پر اللہ سے اجر کی امید (احتساب) رکھو، اور اپنے بارے میں اپنا زاویہِ نظر (سوچ) بدل ڈالو!

جب تم اپنے خاندان کی دیکھ بھال کرتی ہو تو تم کوئی خادمہ نہیں ہوتیں؛

بلکہ تم تو گھر کی مالکن (سیدہ) اور اس کا حفاظتی والو (صمامِ امان) ہو!

تم اللہ کے بعد اس گھر کی محافظ ہو، اور تمہارے بغیر یہ گھر برباد اور کمزور ہو جائے گا!

صرف اس محنت اور کوشش پر نظر مت رکھو جو تم صرف کرتی ہو!

بلکہ اس کے نتیجے اور اثر کو دیکھو، تو تمہارا یہ سفر تمہارے لیے آسان ہو جائے گا۔

کپڑوں سے بھری ہوئی لانڈری کی ٹوکریاں (باسکٹس) اس بات کی علامت ہیں کہ تمہارے بچوں کو صاف ستھرے کپڑے میسر ہیں،

اور برتنوں سے بھرا ہوا سنک اس بات کی گواہی ہے کہ تم نے اپنے خاندان کے لیے لذیذ کھانا تیار کیا ہے،

اور گھر میں بکھرا ہوا سامان (کٹھ کباڑ) یہ بتاتا ہے کہ یہ گھر بچوں کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ ہے؛

جہاں وہ محبت محسوس کرتے ہیں، اور (سخت مزاجی کی وجہ سے) سزا کا خوف نہیں رکھتے، اور بچے تو گھر کے فرنیچر سے کہیں زیادہ اہم ہیں!

اگر تم اپنے کام کی عظمت کو پہچاننا چاہتی ہو،

تو ذرا تخیل میں اس گھر کی حالت کا تصور کرو، اگر تم ایک دن کے لیے بھی یہ سب کرنا چھوڑ دو! پس ثواب کی نیت رکھو جیسا کہ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا۔

اس بات کو محسوس کرو کہ فرشتے تمہارے نامہِ اعمال میں وہ ہر کام لکھ رہے ہیں جو تم سرانجام دے رہی ہو، اس اجر کو محسوس کرو جو ہر جاندار (کبد رطبہ) کی خدمت پر ملتا ہے!

ہر وہ نوالہ جسے تمہارے بچے اور تمہارا شوہر کھاتے ہیں، اس میں تمہارے لیے اجر ہے! رمضان المبارک میں ہر افطاری پر تمہیں ان تمام روزہ داروں جتنا اجر ملتا ہے!

کیا وہ تم ہی نہیں ہو جس نے ان کے کھانے کا انتظام کر کے ان سب جتنا اجر پا لیا؟!

ہر اس صاف ستھرے لباس میں اجر محسوس کرو جسے تمہارے بچے اور شوہر پہنتے ہیں کہ وہ تمہاری طرف سے صدقہ ہے!

اور ہر اس حرف (لفظ) میں اجر پاؤ جو تم اپنے بچے کو سکھاتی ہو!

اور ہر اس حسنِ سلوک اور نیکی میں اجر پاؤ جو تم اپنے شوہر کے ساتھ کرتی ہو!

اگر ہم اپنی نیتوں کی اصلاح کر لیں تو ہم ہر وقت ایک دائمی عبادت میں مصروف ہیں، اور ہم اس تقسیم پر راضی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقرر فرمائی ہے!

جب نیتیں خالص ہوں، تو روزمرہ کی عام زندگی کے معاملات بھی عبادت بن جاتے ہیں؛ مثال کے طور پر حجاب کا تصور کرو،

اگر پورا خاندان کسی پکنک (سیر و تفریح) پر جائے اور تم ان کے ساتھ ہو،

تو وہ سب تو ایک مباح (جائز تفریح) میں مصروف ہیں جبکہ تم (پردے کی وجہ سے) عبادت میں ہو!

پس زندگی کے تمام تر معاملات کو اسی ترازو پر پرکھو!

گواہی!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ تمہارے حبیب اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ روزمرہ کی زندگی کے معاملات میں کیسا برتاؤ فرماتے تھے۔

اور تم پوچھتی ہو: کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھریلو معاملات میں بھی فیصلے فرماتے تھے جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ کرتے تھے؟ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ان کا ذاتی معاملہ سمجھ کر اس میں مداخلت نہیں فرماتے تھے؟

اس سوال کا جواب پانے کے لیے تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا؛

دیکھو، یہ (حضرت) نعمان بن بشیر (رضی اللہ عنہ) ہیں جو تم سے کلام کر رہے ہیں اور تمہاری علمی پیاس بجھاتے ہوئے فرمارہے ہیں:

میری ماں عمرہ بنتِ رواحہ رضی اللہ عنہا نے میرے والد (بشیر رضی اللہ عنہ) سے تقاضا کیا کہ وہ اپنے مال کا کچھ حصہ مجھے ہبہ (تحفے میں) کر دیں۔

میرے والد اس معاملے میں ایک سال تک ٹال مٹول کرتے رہے، پھر انہوں نے (تحفہ دینے کا) فیصلہ کرلیا۔

تو میری ماں نے ان سے کہا: میں تب تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ آپ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ نہ بنالیں جو کچھ آپ نے میرے بیٹے کو تحفے میں دیا ہے!

چنانچہ میرے والد نے میرا ہاتھ پکڑا، میں اس وقت ایک چھوٹا لڑکا تھا،

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس (نعمان) کی ماں عمرہ بنتِ رواحہ کو یہ بات پسند آئی ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کو جو کچھ تحفے میں دیا ہے، اس پر آپ کو گواہ بناؤں!

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: اے بشیر! کیا اس کے علاوہ بھی تمہاری کوئی اولاد ہے؟

انہوں نے عرض کیا: جی ہاں!

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تو پھر مجھے اس پر گواہ مت بناؤ، کیونکہ میں کسی ظلم (ناانصافی) پر گواہ نہیں بنتا!

اے صحابیہ!

بے شک انسان اپنے تمام اعضاء کا مالک ہوتا ہے سوائے اپنے دل کے!

اور ماں کا اپنی اولاد میں سے کسی ایک سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ محبت کرنا ایک فطری امر ہے، ... اور اس (محبت) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ باقی بچوں سے بغض (نفرت) رکھتی ہے!

اصل بات یہ ہے کہ کسی بیٹے یا بیٹی کی طرف دل کا ایک خاص جھکاؤ اور احساس ہوتا ہے، جسے انسان اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور وہ اس پر قابو پانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ جذبات و احساسات کے معاملے میں ہمارے دلوں کی کیفیت پر ہمارا مؤاخذہ نہیں فرماتا،

لیکن وہ حسنِ سلوک، برتاؤ اور تحائف دینے میں ناانصافی (عدمِ عدل) پر ہمارا مؤاخذہ ضرور فرماتا ہے!

یہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے کہ تم اپنے تمام بچوں سے ایک جتنی (برابر) محبت کرو، کیونکہ انسان اپنے دل کی باگ ڈور کا خود مالک نہیں ہے؛

لیکن یہ تو تمہارے اختیار میں ہے کہ تم ان سب کے ساتھ یکساں طور پر بہترین اسلوب میں پیش آؤ!

اور یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ تم تحائف، عطیات اور ہدیوں کی تقسیم میں ان کے درمیان مکمل انصاف کرو!

پس عدل وانصاف کا دلی محبت سے کوئی تعلق نہیں ہے!

یہ ایک ایسا عظیم اور پاکیزہ اصول ہے جو تمام جذبات سے بالاتر ہے،

جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے، تو پھر اپنے پیاروں کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟!

(حضرت) زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ، (حضرت) عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کافی عرصہ پہلے اسلام لائے تھے اور انہوں نے اپنے اسلام کو چھپا کر رکھا تھا۔

ان کے والد (خطاب) ان دونوں کے ساتھ بہت سخت گیر، ظالم اور جفا کار تھے۔

اور چونکہ زید رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے،

اس لیے وہ ان کے ساتھ صرف ایک بڑے بھائی کی طرح نہیں، بلکہ ایک شفیق باپ کی طرح پیش آتے تھے!

چنانچہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا دل اپنے بھائی کی محبت میں بہت گہرائی سے جڑا ہوا تھا۔

زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان اولین خوش نصیبوں میں سے تھے جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی، اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام معارک (غزوات) میں شریک رہے۔

پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں، ابو مریم الحنفی کے ہاتھوں مرتدین کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں (حروبِ ردہ) میں شہید ہو گئے؛

خاص طور پر معرکۂ یمامہ کے دن، اور وہ اس روز مسلمانوں کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے!

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی جدائی پر شدید غمگین ہوئے، اور جب بھی ان کا تذکرہ ہوتا وہ رو پڑتے تھے!

پھر (کچھ عرصے بعد) ابومریم ارتداد سے تائب ہوکر دوبارہ اسلام لے آیا، اور کفر کے بعد ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگیا۔

چنانچہ اپنی خلافت کے دوران ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس سے سامنا ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

اللہ کی قسم! میں تم سے محبت نہیں کرسکتا، یہاں تک کہ زمین بہائے گئے خون کو پسند کرنے لگے (یعنی جیسے زمین خون کو پسند نہیں کرتی، میرا دل بھی تمہیں قبول نہیں کرسکتا)!

تو ابومریم نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کی یہ ناپسندیدگی میرا کوئی ایسا حق مارنے کا سبب بنے گی جو مجھے حاصل ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔

اس نے پھر پوچھا: یا آپ میرا کوئی ایسا حق غصب کریں گے جو آپ کا نہیں ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔

تب ابومریم نے (اطمینان سے) کہا: تو پھر یہ امیر المؤمنین کا عدل وانصاف ہے! پس مجھے آپ کے بغض (ناپسندیدگی) سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ (محبت کی کمی پر) تو صرف عورتیں کڑھتی ہیں!

پس جب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی رعایا کے درمیان عدل فرماتے تھے اور اپنے بھائی کے قاتل کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں کرتے تھے؛

تو تم تو اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف کرنے کی بدرجہ اولیٰ حقدار ہو، کیونکہ وہ سب تمہارا اپنا خون (رحم کا حصہ) ہیں!

اے صحابیہ!

بچے اس معاملے میں بہت زیادہ ذہین اور تیز فہم ہوتے ہیں جب بات برتاؤ،

عطیات اور تحائف میں فرق (امتیاز) کرنے کی ہو!

اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے قصے ہمارے سامنے محض کہانی کے طور پر نہیں، بلکہ عبرت اور نصیحت کے لیے بیان فرمائے ہیں!

اور تمہارے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کے واقعے میں ایک بہت بڑی عبرت موجود ہے!

یہ سچ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا، اس کا کوئی جواز نہیں تھا (وہ سراسر گناہ تھا)،

لیکن یوسف علیہ السلام کے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام کی حد سے زیادہ محبت بالکل واضح اور عیاں تھی؛ اور ان کے لیے ان کا ضرورت سے زیادہ خوف اور فکر بھی سب کے سامنے ظاہر تھی!

اور یہی وہ چیز تھی جس نے ان کے بھائیوں کے دلوں میں حسد اور غیرت (جلن) کی آگ بھڑکا دی تھی!

پس اپنی اولاد کے معاملے میں اللہ سے ڈرو!

جب تم ان کے درمیان برتاؤ میں فرق (امتیاز) کرتی ہو،

تو تم اس کے ذریعے صرف ایک (بچے) کو حد سے زیادہ محبت ہی فراہم نہیں کر رہی ہوتیں، بلکہ تم تو ان کے درمیان دشمنی کے بیج بو رہی ہوتی ہو،

اور آپس میں قطع تعلق (رشتہ توڑنے) کی آگ بھڑکا رہی ہوتی ہو!

پس اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی خون کا رشتہ مت کاٹو!

اور ان کے درمیان ایسی جنگ مت چھیڑو جس کا پہلا شکار خود تم ہی بنو گی!

اے صحابیہ!

ہو سکتا ہے کہ تم اپنے شوہر کی اکلوتی بیوی نہ ہو،

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے پاس دوسری بیوی سے بھی اولاد ہو؛

کوئی تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ تم اپنی سوتن (دوسری بیوی) کے بچوں سے بالکل ویسے ہی محبت کرو جیسے اپنے بچوں سے کرتی ہو!

کوئی عاقل انسان تم سے ایسا تقاضا نہیں کرسکتا!

کیونکہ یہ بات اول وآخر انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہے!

لیکن تمہاری یہ کوشش کہ تمہارا شوہر اپنے مال یا توجہ میں سے تمہارے بچوں کو وہ کچھ مخصوص کر کے دے،

جو وہ اپنی دوسری بیوی کے بچوں کو نہیں دیتا؛

تو یہ سراسر وہ ظلم (ناانصافی) ہے جس کا حساب تم سے قیامت کے دن لیا جائے گا!

اور حدیثِ شریف میں (نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ فرمان) موجود ہے:

جس شخص نے کسی مسلمان کا حق مارا (غصب کیا) جو اس کا نہیں تھا، تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی!

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! خواہ وہ کوئی معمولی سی چیز ہی کیوں نہ ہو؟"

آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: "خواہ وہ اراک (پیلو) کے درخت کی ایک ٹہنی (مسواک) ہی کیوں نہ ہو!"

ذرا تصور کرو، خواہ وہ ایک مسواک ہی کیوں نہ ہو جس کی قیمت ایک ریال، ایک درہم یا ایک دینار ہو!

نہ خود حرام کھاؤ، اور نہ ہی اس بات پر راضی ہو کہ تمہارے بچے حرام کا لقمہ کھائیں!

بے شک اللہ تعالیٰ نے وراثت (اور حقوق) کی بنیاد خون کے رشتے اور قرابت

داری پر رکھی ہے!

نہ کہ دلی محبت اور نفسانی خواہش (ہویٰ) کی بنیاد پر!

اور شریعت میں تمہارے بچے اپنے باپ کی طرف سے بالکل ویسے ہی ہیں جیسے تمہاری سوتن کے بچے!

اے صحابیہ!

ہوسکتا ہے کہ تمہاری کوئی بیٹی بیوہ ہو، یا ہوسکتا ہے کہ تمہارا کوئی ایک بیٹا غریب ہو جبکہ اس کے دوسرے بھائی مالی طور پر اس سے بہتر حال میں ہوں؛

پس اگر تم (زندگی میں ہدیہ دیتے وقت) ان فرق وتفاوت کی رعایت کرتے ہوئے کسی کی کچھ اضافی مدد کردو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے!

بلکہ یہی اصل بنیاد، حکمت اور عدل ہے؛

کیونکہ وہ بیٹی جس کا شوہر مالدار اور خوشحال ہو وہ اس بیوہ جیسی نہیں ہوسکتی (جس کا کوئی سہارا نہ ہو)،

اور مالدار بیٹا اس غریب بیٹے کی طرح نہیں ہوسکتا (جو دستِ نگر ہو)۔

لیکن اگر تم کسی (مجبور بچے) کی غربت وتنگی دور کرنے کے لیے اس کی کچھ مدد کرو، تو اسے ایک پوشیدہ راز ہی رکھو!

تاکہ تم ان کے درمیان (لاشعوری طور پر) حسد اور دشمنی کے بیج نہ بو بیٹھو!

بلکہ تمہیں اس بات پر بھی اجر ملے گا اگر تم دوسرے بھائیوں کی توجہ (اس غریب بھائی کی طرف) مبذول کرواؤ،

تاکہ ان میں سے مالدار اپنے غریب بھائی کی مدد کرے، اور خوشحال اپنے نادار بھائی کے کام آئے!

لیکن وصیت (مرنے کے بعد کے احکام) اور وراثت کی تقسیم میں عدل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے شریعت میں مقرر فرما دیا ہے!

اور اس معاملے میں (اپنی مرضی کے) کسی دوسرے پہلو یا عذر کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا! اور تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ تم (وراثت کے معاملے میں) کسی کو اس کے شرعی حصے سے زیادہ دو جو اللہ نے اسے عطا فرمایا ہے،

سوائے اس صورت کے کہ باقی تمام وارثین برضا ورغبت اپنے کسی بھائی یا بہن کی مجبوری کا خیال رکھتے ہوئے اس بات کو قبول کرلیں!

انوکھا نکاح!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

اور تمہارے لیے صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم کی احادیث میں عبرت، نصیحت اور دل کا سرور موجود ہے۔ اور اس وقت تم تاریخ کے انوکھے ترین واقعات میں سے ایک واقعے کے روبرو ہو!

تم اس وقت (حضرت) جلیبیب (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہو!

وہ صحابی جو ظاہری شکل وصورت میں خوبصورت نہ تھے (دمیم الوجہ)، چھوٹے قد کے تھے، اور غریب تھے؛

اور یہ ایسی صفات ہیں جن کی وجہ سے قدیم زمانے سے ہی عورتیں مردوں کی طرف مائل نہیں ہوتیں،

اور قیامت تک وہ ان صفات کو ناپسند ہی کرتی رہیں گی!

کیونکہ ان کے پاس نہ تو اتنی دولت تھی جو ان کی بدصورتی پر پردہ ڈال سکتی،

اور نہ ہی کوئی ایسا حسن و جمال تھا جو ان کی غربت کی تلافی کر سکتا!

لیکن زندگی میں جلیبیب رضی اللہ عنہ کا اصل سرمایہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے،

اور خدا کی قسم! یہ ایسا کثیر سرمایہ اور اتنی بڑی عطا تھی جس کی کوئی انتہا نہیں!

مگر جب بات شادی بیاہ کی ہو، تو عام لوگوں کے اپنے الگ ہی معیارات اور حساب کتاب ہوتے ہیں!

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ جلیبیب رضی اللہ عنہ کے لیے کسی زوجہ (بیوی) کی تلاش کریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے ایک شخص سے فرمایا: اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دو!

اس انصاری نے (خوشی سے نہال ہو کر) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے لیے بہت بڑی سعادت ہے!

تب آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: بے شک میں یہ رشتہ اپنے لیے نہیں مانگ رہا!

اس نے پوچھا: تو پھر کس کے لیے، اے اللہ کے رسول؟

آپ ﷺ نے فرمایا: جلیبیب کے لیے!

اس شخص نے (حیرت اور جھجک سے) کہا: اچھا، میں ذرا اس کی ماں سے مشورہ کر لوں... چنانچہ وہ اپنی بیوی کے پاس آیا اور اسے اس بات کی خبر دی، تو اس (ماں) نے (فوری) کہا:

اللہ کی قسم! ہم ہرگز اس سے نکاح نہیں کریں گے! (ہم نے تو بڑے بڑے رشتے ٹھکرا دیے، تو کیا اب جلیبیب سے کریں گے؟)

پس جب وہ انصاری صحابی اٹھا تا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر رشتہ مسترد کرنے کے اپنے فیصلے سے آگاہ کرے،

تو اس لڑکی نے (اپنے والدین سے) پوچھا:

آپ دونوں سے میرا رشتہ کس نے مانگا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے!

تو اس نے (ایمان و یقین سے بھرپور لہجے میں) کہا:

کیا آپ دونوں رسول اللہ ﷺ کا حکم رد کرنا چاہتے ہو؟ میں اس رشتے کو قبول کرتی ہوں، اور اللہ مجھے کبھی برباد نہیں کرے گا!

اور یوں یہ نکاح مکمل ہو گیا...

پھر کچھ عرصے بعد ایک غزوہ (جنگ) پیش آیا اور نبی کریم ﷺ کی یہ عادت

مبارک تھی، کہ جب معرکہ ختم ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت فرماتے: کیا تم اپنے لوگوں میں سے کسی کو گم (شہید) پاتے ہو؟

انہوں نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول! (ہمارے قریبی لوگ سب موجود ہیں)۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لیکن میں جلیبیب کو گم پا رہا ہوں، پس اسے مقتولین (شہداء) کے درمیان تلاش کرو!

چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کی تلاش شروع کی، تو انہیں ایک جگہ پایا جہاں سات (دشمنوں) کی لاشیں پڑی تھیں جنہیں جلیبیب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، اور پھر دشمنوں نے انہیں شہید کر دیا تھا!

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ یہاں موجود ہیں!

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، ان کے سرہانے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اس نے سات کو قتل کیا اور پھر انہوں نے اسے شہید کر دیا۔ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے مبارک بازوؤں (ہاتھوں) پر اٹھایا جب تک کہ ان کے لیے قبر کھودی جا رہی تھی،

اور جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کھدائی سے فارغ ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے انہیں ان کی قبر میں اتارا!

اے صحابیہ!

(حضرت) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اپنی بیٹیوں کو بدصورت مرد پر (نکاح کے لیے) مجبور مت کیا کرو، کیونکہ وہ بھی (مردوں میں) وہی کچھ پسند کرتی ہیں جو تم (عورتوں میں) پسند کرتے ہو!

اور آپ رضی اللہ عنہ کی اس بات سے مراد یہ تھی کہ جس طرح مرد ایک خوبصورت عورت کی طرف مائل ہوتا ہے،

اسی طرح عورت بھی ایک خوبصورت اور وجیہہ مرد کی طرف مائل ہوتی ہے!

اور اس قصے میں اس لڑکی کی عظمت کا یہ بہت بڑا اعتراف ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو اپنی خواہش (ہویٰ) اور اپنی انسانی فطرت پر ترجیح دی!

اور اگر وہ اس نکاح سے انکار بھی کر دیتی، تو وہ کوئی نافرمان عورت شمار نہ ہوتی!

یہ (جلیبیب رضی اللہ عنہ والا معاملہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک ذاتی سطح پر خصوصی خواہش تھی، یہ کوئی ایسا دینی امر یا شرعی حکم نہیں تھا جس کے سامنے لڑکی کا کوئی اختیار باقی نہ رہتا!

کائنات میں کسی بھی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ تمہیں کسی ایسے مرد سے شادی کرنے پر مجبور کرے جو تمہیں پسند نہ ہو! ایسا کرنا کوئی بے ادبی یا بے دینی نہیں ہے؛

کیونکہ نکاح تو اللہ تعالیٰ نے پاکدامنی حاصل کرنے کے لیے مشروع (جائز) فرمایا ہے، یعنی نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکی دونوں کی عفت و پاکدامنی کے لیے!

اور دو عاقل انسانوں کے درمیان اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا کہ شریکِ حیات (جیون ساتھی) کے لیے رغبت، پسندیدگی اور کشش کا ہونا ہی انسان کو اس کی طرف مائل کرتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے،

اور یہی چیز عفت و پاکدامنی کے حصول اور حلال پر اکتفا کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے!

اے صحابیہ!

والدین کا یہ پورا حق ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے لیے بہترین تعلیم، بہترین ملازمت

اور خوشحالی (مالداری) کا انتخاب کریں؛

اور اس سوچ میں کوئی عیب یا برائی نہیں ہے،

بلکہ یہ تو بالکل اس کے برعکس ہے (یعنی یہ ایک اچھی سوچ ہے)!

یہ تو امانت کو بہترین طریقے سے ادا کرنے کا حصہ ہے؛

کیونکہ بیٹی آخر کار اپنے والدین کے پاس ایک امانت ہی ہوتی ہے،

یہاں تک کہ وہ اس امانت کو (نکاح کے ذریعے) ادا کردیں!

یہ بات بالکل سچ ہے کہ ہمیں سب سے پہلے دین اور اچھے اخلاق کو تلاش کرنا چاہیے،

لیکن اس بات میں کیا رکاوٹ ہے کہ دینداری کے ساتھ ساتھ حسن و جمال بھی جمع ہو جائے؟!

یا دینداری کے ساتھ ساتھ ایک معزز اور باوقار ملازمت بھی یکجا ہو جائے؟!

یا دینداری کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم بھی مل جائے؟!

اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، ہرگز نہیں!

اور بیٹی کے لیے ایک بہترین شوہر تلاش کرنے میں والدین کی یہ کوشش ایک ایسی محنت ہے جس پر وہ شکریہ اور اجر کے مستحق ہیں،

اور ہر خاندان کی اپنی عادات ہوتی ہیں، اور اپنا نقطۂ نظر، اور اپنی روایات،

اور اگر اس قصے میں لڑکی کے گھر والے جلیبیب رضی اللہ عنہ سے اس کا نکاح کرنے سے انکار کر دیتے، تو ان پر کوئی گناہ نہیں تھا، اور نہ ہی یہ کوئی نافرمانی ہوتی!

رشتہ مانگنا لڑکی کے گھر والوں کے سامنے پیش کی جانے والی ایک درخواست ہے،

اور یہ ان کا حق ہے کہ وہ اسے قبول کریں یا رد کردیں، خواہ رشتہ مانگنے والا کوئی نبی ہی کیوں نہ ہو!

لیکن ظاہری شکل وصورت، نفاست اور مال و دولت کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے،

مگر اس بات میں ایک بہت بڑا اور واضح فرق ہے کہ انسان رشتہ طے کرتے وقت ان چیزوں کو تلاش کرے، اور اس بات میں کہ یہ چیزیں ہی شادی کے وقت واحد معیار (واحد شرط) بن جائیں!

جو شخص اپنی بیٹی کے داماد کے لیے صرف اور صرف مالداری کی شرط لگاتا ہے،

تو وہ ایک تاجر ہے، باپ نہیں!

اور وہ لڑکی جو صرف اور صرف ظاہری خوبصورتی چاہتی ہے،

تو وہ شوہر کی طلبگار نہیں بلکہ کسی فیشن ماڈل کی تلاش میں ہے!

اور وہ خاندان جو اپنی بیٹی کے شوہر میں صرف ایک بلند اور معزز سماجی مرتبہ دیکھنا چاہتا ہے، وہ محض کھوکھلے مظاہر (دکھاوے) کا دلدادہ خاندان ہے!

اے صحابیہ!

دین سب سے پہلے ہے، پھر اس کے بعد باقی تمام صفات آتی ہیں!

ظاہری حسن و جمال کو وقت بدل دیتا ہے، مگر اچھے اخلاق ہمیشہ باقی رہتے ہیں!

اور مال و دولت ضائع ہو سکتی ہے، مگر اچھے اخلاق ہمیشہ قائم رہتے ہیں!

اور معزز سماجی مرتبہ مٹ سکتا ہے، مگر اچھے اخلاق ہمیشہ ساتھ دیتے ہیں!

میرا یقین کرو، اگر تم کسی ایسے خوبصورت نوجوان سے رشتہ جوڑ لوگی جس کے پاس اخلاق نہ ہوں، تو اس کی بداخلاقی تمہیں ایسا بنا دے گی

کہ تم اس کے اندر ایک مردود شیطان دیکھنے لگو گی!

شادی کے بعد صرف اچھے اخلاق ہی ہمیں خوبصورت دکھائی دیتے ہیں!

اور اگر تم کسی ایسے امیر نوجوان سے رشتہ جوڑ لوگی جس کے پاس اخلاق نہ ہوں،

تو اس کا برا سلوک تمہیں اپنی عمر پر آنسو بہانے (افسوس کرنے) پر مجبور کر دے گا!

اور تب تم تمنا کروگی کہ کاش کوئی غریب شوہر ہوتا
جو تمہارے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آتا اور تم سے محبت کرتا!
ایک وسیع اور بڑے بستر کا کیا فائدہ اگر دل تنگ اور چھوٹا ہو؟!
اور ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کرنے کا کیا فائدہ اگر دل کے اندر غم مستقل ڈیرہ ڈالے ہوئے ہو؟!
زیورات، کنگنوں اور ہاروں کا کیا فائدہ،
جب وہ بدبختی کے ساتھ (گلے کا) طوق بن جائیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں؟!
اس پیٹ کا کیا فائدہ جو لذیذ ترین کھانوں سے بھرا ہوا ہو،
جبکہ روح محبت کے ایک لفظ اور اچھے برتاؤ کے لیے تڑپ رہی (بھوکی) ہو؟!
اس پرشکوہ اور قیمتی گاڑی کا کیا فائدہ اگر وہ مردہ لوگوں کو لے جانے والی گاڑی بن جائے، ایسے مردہ لوگ، جنہیں لاپرواہی اور برے سلوک نے مار دیا ہو، خواہ ان کی موت کا باقاعدہ اعلان نہ ہوا ہو!

اے صحابیہ!

ایک امیر اور خوبصورت شخص کسی لڑکی کا رشتہ مانگنے آیا،
تو لڑکی کے باپ نے اس سے پوچھا: فجر کی نماز کس وقت ہوتی ہے؟
اس نے جواب دیا: میں نہیں جانتا!
تو باپ نے اس سے کہا: تمہاری مطلوبہ چیز (بیٹی کا رشتہ) میرے پاس نہیں ہے!
یہ ضروری ہے کہ تمہیں اپنے منگیتر کا چہرہ پسند آئے،
لیکن یہ مت بھولنا کہ تم اس کے دل پر بھی ایک نظر ڈالو!
یہ ضروری ہے کہ تمہیں اس کی ملازمت (عہدہ) پسند آئے،

لیکن یہ مت بھولنا کہ تم اس کی اپنی ماں اور باپ کے ساتھ نیکی (فرمانبرداری) کو بھی دیکھو! کیونکہ جو شخص اس عورت کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے جس نے اسے بالشت بالشت کر کے پالا ہے،

وہ تمہارے ساتھ کبھی اچھے طریقے سے پیش نہیں آئے گا!

اور یہ ضروری ہے کہ تم پوچھو کہ وہ کتنا (مال) رکھتا ہے، لیکن یہ مت بھولنا کہ تم اس کے اپنے رب کے ساتھ تعلق کے بارے میں بھی پوچھو!

کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اگر تم سے محبت نہ بھی کرے تب بھی تم پر ظلم نہیں کرے گا! اور اگر وہ تم سے محبت کرے گا تو تمہیں اپنے سر کا تاج بنا کر رکھے گا!

پس تم دیندار انسان کو تلاش کرو، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں (تم کامیاب رہوگی)!

اے صحابیہ!

غربت کوئی عیب نہیں ہے،

اور یقیناً ایسے دن گزر جاتے تھے کہ کوئی آگ نہیں سلگائی جاتی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک گھر میں کھانے کے لیے،

ان کے پاس کھجور اور پانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا!

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن (عزت و ناز کے اعتبار سے) عورتوں میں سب سے زیادہ محترم اور لاڈلی تھیں!

اور کوئی بھی پیشہ یا کام کاج خواہ کیسا ہی ہو عیب نہیں ہے،

جب تک کہ وہ ہمیں حلال طریقے سے نوالہ (روٹی) اور کپڑا فراہم کرتا رہے!

اور یقیناً حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی (نجار) تھے،

اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتے تھے،

پس کوئی ڈاکٹر کسی بڑھئی سے افضل نہیں ہے سوائے اپنے دین اور اخلاق کے،

اور نہ ہی کوئی وزیر کسی چوکیدار (پاسبان) سے افضل ہے سوائے اپنے دل اور دین کے،

کچھ ایسی چیزیں ہیں جن پر شادی کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور وہ مال، عہدوں اور خوبصورتی سے زیادہ اہم ہیں،

پس سب سے پہلے ان (بنیادی چیزوں) کو تلاش کرو، پھر باقی چیزیں خود ہی آ جائیں گی!

(حضرت) ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ!

تم بھی ایک "صحابیہ" ہو!

اور تم جانتی ہو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ انبیاء کے بعد کائنات کے سب سے بہترین انسان تھے،

مگر آخر کار وہ بھی انسان ہی تھے!

اور ان سے بھی بالکل ویسے ہی غلطی ہو سکتی تھی جیسے ہم میں سے کسی سے بھی ہو سکتی ہے،

اور یہ کہ عصمت (گناہوں سے پاک ہونا) صرف ایک نبی کے لیے ہی خاص ہے!

جب (حضرت) ماعز رضی اللہ عنہ سے زنا کا گناہ سرزد ہوا،

تو ان کا گزر اپنے ایک دوست سے ہوا جس کا نام ہزّال الاسلمی تھا، اور انہوں نے اسے اس واقعے کی خبر دی،

مگر ہزّال نے انہیں کوئی وعظ و نصیحت نہیں کی، اور نہ ہی انہیں (خاموشی سے) توبہ کرنے پر ابھارا،

بلکہ انہوں نے ماعز رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیں،

چنانچہ ماعز رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے زنا کا اعتراف کر لیا،

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر حدِ رجم (سنگسار کرنے) کا حکم جاری فرما دیا!

کیونکہ معاملہ جب حاکم (امام) تک پہنچ جائے تو پھر معافی ساقط ہو جاتی ہے، اور حد کا نافذ کرنا لازم ہو جاتا ہے!

پھر اس واقعے کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ہزّال سے ہوئی،

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: "اگر تم اسے اپنے کپڑے سے ڈھانپ لیتے (عیب چھپا لیتے) تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوتا!"

اے صحابیہ!

ہم سب کے سب عیوب اور خامیاں لیے ہوئے ہیں، اور اگر اللہ کی طرف سے پردہ پوشی کی چادر نہ ہو،

جس کا نام "الستر" (عیب چھپانا) ہے، تو ہم (لوگوں کے سامنے) رسوا ہو جائیں،

اور لوگ کبھی ہماری طرف احترام کی نظر سے نہ دیکھیں!

بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ پردہ پوشی فرمانے والا ہے اور وہ پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے!

اور جو شخص لوگوں کے ساتھ (پردہ پوشی کے) اس اخلاق کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، اللہ اس کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ فرماتا ہے!

لوگوں کے عیوب چھپانے والے کا عیب اللہ چھپاتا ہے!

اور ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والے (دلجوئی کرنے والے) کے دل کو اللہ سکون دیتا ہے!

اور لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے چلنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کسی ایسے کو مقرر کر دیتا ہے جو اس کی ضرورت کے وقت اس کے کام آئے!

اور لوگوں کے باہمی تعلقات کی اصلاح کے لیے کوشش کرنے والے کے لیے،

اللہ تعالیٰ کسی ایسے کو مسخر کر دیتا ہے جو اس کے اپنے معاملات کی اصلاح کے لیے کوشش کرے! پس اگر تم یہ چاہتی ہو کہ اللہ تم سے اپنا پردہ کبھی نہ ہٹائے،

تو تم بھی اس کی مخلوق میں سے کسی ایک سے بھی پردہ مت ہٹاؤ (اس کا عیب مت اچھالو)! فلاں لڑکی یا فلاں شخص کا کوئی گناہ اگر تم تک پہنچے تو اسے آگے مت پھیلاؤ!

ہم میں سے ایسا کون ہے جس کے گناہ نہ ہوں؟!

اور اگر گناہوں کی کوئی بو ہوتی، تو کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے پاس نہ بیٹھتا!

جن گھروں میں تم داخل ہوتی ہو، وہاں اندھی بن کر داخل ہوا کرو!

اور وہاں سے گونگی بن کر باہر نکلا کرو!

ہر وہ جگہ جہاں تم قدم رکھتی ہو، تم وہاں (کے بھیدوں پر) امین ہو!

اور وہ مسئلہ جس کی اصلاح اور نصیحت کے لیے تم نے مداخلت کی ہے،

تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم بعد میں اس کی تفصیلات کو نشر کرتی پھرو!

اور جس کسی نے بھی اپنی زندگی کا کوئی مخفی احوال یا کمزوری تمہارے سامنے ظاہر کی ہے،

اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس پر پردہ ڈال دو!

اے صحابیہ!

ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ہمیں شرمندگی محسوس ہو!

جی ہاں، اسلامِ عظیم نے کچھ حدود اور سزائیں مقرر فرمائی ہیں،

اور انسانی تاریخ میں کوئی بھی معاشرہ کبھی ایسا قائم نہیں ہوا جس کا اپنا کوئی نظامِ تعزیرات (قانونِ سزا) نہ ہو،

اور خواہ وہ سزائیں ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے میں مختلف ہوں، مگر وہ موجود ضرور ہوتی ہیں،

کیونکہ ان کے بغیر کوئی بھی انسانی معاشرہ قائم ہی نہیں رہ سکتا!

لیکن دینِ اسلام، جو کہ نہایت رحم والا ہے، وہ توبہ اور پردہ پوشی کی ترغیب دیتا ہے!

اور جب تک اللہ تعالیٰ کسی انسان کے گناہ پر پردہ ڈالے رکھتا ہے،

تو سب سے بہتر یہی ہے کہ وہ خود بھی اللہ کے اس پردے کو چاک نہ کرے (کسی کو نہ بتائے)! اور نہ ہی وہ حاکم یا قاضی کے پاس جائے تاکہ اس پر سزا نافذ کی جائے!

امام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اور گناہوں کے معاملے میں اصل بنیاد توبہ اور استغفار کرنا ہے، نہ کہ حدود (سزائیں) قائم کرنا!"

تم اپنے اور اللہ کے درمیان سچی توبہ کرلو!

اور جہانوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے گناہوں سے باخبر مت کرو!

ہم عیسائی نہیں ہیں جو گرجا گھروں (چرچ) میں جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں،

کسی ایسے انسان کے سامنے جس سے ہماری ہی طرح غلطیاں اور گناہ ہوتے ہیں!

ہمیں تو اللہ نے ایک ایسے دین کے ذریعے عزت بخشی ہے جو پردہ پوشی پر قائم ہے،

اور اس نے توبہ کا معاملہ براہِ راست اپنے اور ہمارے درمیان رکھا ہے، پاک ہے وہ ذات! اور لوگ تو تمہیں گناہ کا طعنہ دیتے رہیں گے اور اسے کبھی نہیں بھولیں گے،

جبکہ اللہ تعالیٰ (توبہ کرنے پر) مغفرت فرماتا ہے، پردہ ڈالتا ہے، اور درگزر فرما دیتا ہے!

اے صحابیہ!

(حضرت) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں (صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے،

تو حاضرین میں سے کسی ایک سے ہوا خارج ہوئی (جس سے بو پھیلی)،

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ اس ہوا خارج کرنے والے شخص کو حکم دیں، کہ وہ اٹھے اور جا کر دوبارہ وضو کرے!

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا:

"اے امیر المؤمنین! کیا (اس کے بجائے) ہم سب کے سب ہی وضو نہ کرلیں؟"

پس (حضرت) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کی اس رائے سے بہت خوش ہوئے اور ان سے فرمایا:

"اللہ تم پر رحم فرمائے، تم جاہلیت میں بھی کتنے بہترین سردار تھے!
اور اسلام میں بھی تم کتنے بہترین سردار ہو!"

ذرا دیکھو، ان کے ہاں پردہ پوشی کا جذبہ کس حد تک پہنچا ہوا تھا،
نہ صرف گناہوں کے معاملے میں، بلکہ ہر اس بات میں بھی جس میں کسی کے لیے شرمندگی ہو!

اگر وہ شخص اکیلا اٹھتا اور وضو کرتا تو یہ اس کے لیے کتنی شرمندگی کا مقام ہوتا،
کیونکہ مجلس میں موجود ہر شخص جان جاتا کہ ہوا اسی سے خارج ہوئی تھی!
چنانچہ جریر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ سب لوگ اٹھ کر وضو کریں،
اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو بہت پسند فرمایا،
اور اس طرح سب نے وضو کیا اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ ہوا خارج کرنے والا کون تھا!

انسان پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں نہایت شائستہ اور نرم مزاج ہو،
اور وہ ان کی عزتِ نفس کی ویسے ہی حفاظت کرے جیسے وہ اپنے چہرے کے پانی (عزت) کی حفاظت کرتا ہے،
ہم سب سے پہلے عزتِ نفس اور جذبات و احساسات ہیں، اس کے بعد باقی چیزیں آتی ہیں!

پس تم یہ کوشش کرو کہ کسی کو کبھی بھی شرمندہ نہ کرو، ہرگز نہیں!
اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ تمہارا شوہر تمہاری پسند کی کوئی چیز خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا،

تو اس سے اس کا تقاضا مت کرو، اور اسے اپنی کمزوری اور بے بسی کا احساس مت دلاؤ،
اور اگر تمہیں کسی خوشی کی تقریب کے موقع پر اپنی کسی سہیلی کے بارے میں معلوم ہو،
کہ وہ گھر کی ذمہ داریاں اٹھانے سے عاجز (تھک چکی) ہے، تو اس کا ہاتھ بٹاؤ!
کیونکہ بے شک یہ بھی پردہ پوشی اور دلجوئی کا حصہ ہے!
لوگوں کے لیے یہ کیوں ضروری ہو کہ وہ ایک دوسرے کی بے بسی اور کمی کو (برہنہ) دیکھیں؟ یہاں تک کہ اگر تمہارے بارے میں کوئی بری بات تم تک پہنچے،
اور تم اس بات کے کہنے والے کا سامنا نہ کرنے کی استطاعت رکھتی ہو، تو (خاموش رہو اور) ایسا ہی کرو!
لوگوں کو بسا اوقات اپنے اظہار میں ناکامی (غلطی) ہو جاتی ہے،
اور وہ غصے کے لمحات میں ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن پر وہ خود راضی نہیں ہوتے!
پس تم ان کی ان باتوں پر پردہ ڈال دیا کرو (انہیں درگزر کرو)،
کیونکہ ہم میں سے ایسا کون ہے جو یہ نہ چاہتا ہو کہ اس کی لغزش کو معاف کر دیا جائے!
جب ہجرت کے دن ابو جہل نے (حضرت) اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارا،
تو اسے اچانک یہ احساس ہوا کہ یہ فعل مروت کے خلاف ہے اور عرب کبھی عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے،
چنانچہ اس نے اپنے آس پاس موجود لوگوں سے کہا:
"میری اس بات کو مجھ ہی تک چھپا کر رکھنا (آگے مت پھیلانا)!"
یہ حال اس کا تھا حالانکہ وہ کافر تھا، اور لوگ کچھ باتوں میں ایک جیسے ہی ہوتے ہیں!

اے صحابیہ!

ابنِ خلکان رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "وفیات الأعیان" میں ذکر ہے:

کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک موچی (جوتیاں گانٹھنے والا) پڑوسی تھا،

وہ دن بھر کام کاج کرتا تھا، اور جب رات کو اپنے گھر لوٹتا تو رات کا کھانا کھاتا اور شراب پیتا!

پھر جب شراب کا نشہ اس پر طاری ہو جاتا اور وہ متوالا ہو جاتا، تو یہ شعر گنگناتا:

"انہوں نے مجھے ضائع کر دیا، اور انہوں نے کس قدر بہترین نوجوان کو ضائع کیا،

جو کسی مصیبت کے دن اور سرحدوں کی حفاظت کے کام آنے والا تھا!"

وہ مسلسل شراب پیتا رہتا اور اپنے گھر میں یہی شعر دہراتا رہتا یہاں تک کہ سو جاتا،

اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ سب کچھ سنتے تھے، اور اس پر صبر کرتے تھے، اور اس کا عیب چھپائے رکھتے تھے،

اور ایک رات ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (تہجد کی) نماز پڑھنے کے لیے اٹھے تو انہیں اپنے پڑوسی کی آواز سنائی نہ دی،

چنانچہ انہوں نے اس کے بارے میں دریافت کیا، تو انہیں بتایا گیا کہ:

"اسے پولیس پکڑ کر لے گئی ہے!"

پس جب انہوں نے فجر کی نماز پڑھائی، تو وہ اپنے خچر پر سوار ہوئے، اور گورنر (امیر) کے دربار میں پہنچے، اور اندر آنے کی اجازت مانگی،

امیر نے کہا: "شیخ کو فوراً اندر آنے کی اجازت دو!"

پھر جب وہ اندر داخل ہوئے تو امیر نے ان کی بہت عزت و تکریم کی، اور ان سے پوچھا: "آپ کی کیا حاجت ہے؟"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میں اپنے فلاں پڑوسی کی سفارش کے لیے حاضر ہوا ہوں!

امیر نے (حکم دیتے ہوئے) کہا: شیخ کے پڑوسی کو فوراً رہا کر دو!

اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے خچر پر سوار ہوئے، اور وہ موچی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا،

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے (محبت سے) فرمایا:

اے نوجوان! کیا ہم نے تمہیں ضائع کیا؟

تو اس نے جواب دیا:

"بلکہ آپ نے تو میری حفاظت کی اور لاج رکھ لی، پس اللہ آپ کو پڑوسی کے حق کی پاسداری پر بہترین جزا دے!"

اور اس واقعے کے بعد وہ کبھی بھی اس برے کام (شراب نوشی) کی طرف نہیں لوٹا!

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے یہ بالکل ممکن تھا کہ وہ اپنے اس شرابی پڑوسی کی شکایت کر دیتے، لیکن انہوں نے اس کا عیب چھپایا اور کسی ایک کو بھی اس کے گناہ کی خبر نہ ہونے دی،

بلکہ وہ خود امیر کے پاس گئے تا کہ اس کی سفارش کر سکیں،

پس اس پردہ پوشی اور سفارش کا صلہ یہ نکلا کہ اس موچی نے سچی توبہ کر لی،

ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم لوگوں کے گناہوں کو اس نظر سے دیکھیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں،

نہ کہ اس نظر سے کہ گویا ہم ان کے مالک (رب) ہیں!

اور یہ کہ ہمارے اور ان کے درمیان صرف اتنا ہی فرق ہے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت اور پردہ پوشی سے نواز رکھا ہے،

اور اگر اللہ ہم سے یہ پردہ ہٹا لے تو ہم بھی ان ہی کی جگہ پر کھڑے ہوں!

اور کبھی بھی کسی شخص نے کسی دوسرے کو اس کے گناہ کا طعنہ نہیں دیا مگر یہ کہ وہ خود بھی بعد میں اسی گناہ میں مبتلا ہو گیا،

(حضرت) عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

"اگر میں کسی حاملہ عورت کا تمسخر اڑاتے ہوئے اسے طعنہ دوں، تو مجھے یہ ڈر رہے گا کہ کہیں میں خود حاملہ نہ ہو جاؤں

(یعنی مرد ہونے کے باوجود ایسی ناممکن لغزش کا شکار نہ ہو جاؤں)!"

کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ دوسروں کو رسوا کرنے والا خود رسوا ہو کر رہتا ہے، اور مسلمان کو گناہ کا طعنہ دینے والا خود اسی گناہ کی دلدل میں جا گرتا ہے!

یہ کائنات میں اللہ کا وہ اٹل قانون ہے جسے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھا تھا، اور (امام) محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال جیل کے اندر ہوا تھا،

اپنی تجارت میں اپنا پورا مال و دولت اور سرمایہ کھو دینے کے بعد،

وہ اپنی موت سے پہلے یہ فرمایا کرتے تھے:

"میں بیس سال سے اسی (دنیاوی سزا) کا انتظار کر رہا تھا،

میں نے ایک شخص کو طعنہ دیتے ہوئے کہا تھا: اے قفل (دیوالیہ/مفلس) شخص!"

اے صحابیہ!

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح (سنن) میں روایت کیا ہے:

کہ جلیل القدر صحابی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا ایک منشی (کاتب) تھا،

اور اس منشی کے کچھ پڑوسی تھے جو شراب پیا کرتے تھے،

چنانچہ ایک دن اس نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

یقیناً ہمارے کچھ پڑوسی شراب پیتے ہیں،

اور میں اب پولیس (کوتوال) کو اطلاع دینے لگا ہوں تاکہ وہ آ کر انہیں پکڑ لیں!

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ انہیں نصیحت کرو اور سمجھاؤ!

منشی نے کہا: میں انہیں مسلسل منع کر چکا ہوں مگر وہ باز نہیں آتے، اور اب میں پولیس کو بلانے ہی والا ہوں!

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: افسوس تم پر! ایسا ہرگز مت کرنا!

کیونکہ یقیناً میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

جس شخص نے کسی کی کوئی کمزوری (عیب) دیکھی اور اس پر پردہ ڈال دیا، تو وہ ایسا ہے جیسے کسی نے زندہ درگور (دفن) کی جانے والی بچی کو نئی زندگی عطا کر دی ہو!"

اے صحابیہ!

اپنے دل کے ساتھ اس (نبوی فرمان) پر ذرا غور کرو:

"جیسے کسی نے زندہ دفن کی جانے والی بچی کو نئی زندگی عطا کر دی ہو!"

پس زندہ دفن کی جانے والی بچیوں کو زندگی دینے کے اس عظیم اجر سے کبھی منہ مت موڑنا، اور ہمیشہ عیب چھپانا، کبھی رسوا مت کرنا، اور پردہ ڈالنا، کبھی راز فاش مت کرنا!

اے صحابیہ!

احمد بن مہدی الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، اور وہ ایک جلیل القدر امام، حافظِ حدیث اور فقیہ تھے، جن کا تذکرہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیَر أعلام النبلاء" میں کیا ہے اور ان کی خوب تعریف فرمائی ہے:

بغداد کی ایک رات ایک خاتون میرے پاس تشریف لائی،

اور اس نے ذکر کیا کہ وہ ایک شریف خاندان کی بیٹی ہے، اور اس کا اپنا ایک کنبہ (گھربار) ہے،

اور اس نے کہا: "میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں کہ آپ میرا عیب چھپائیں (میری لاج رکھ لیں)!"

تو میں نے پوچھا: "تمہارا قصہ کیا ہے؟"

تو اس نے کہا: "مجھ پر (گناہ کے لیے) جبر کیا گیا تھا، اور میں اب حاملہ ہو چکی ہوں!" "اور میں نے آپ کے اندر غیرت، شرافت اور پردہ پوشی کی امید رکھی ہے،"

"چنانچہ میں نے ہر اس شخص سے جو مجھے جانتا ہے یہ کہہ دیا ہے کہ آپ میرے شوہر ہیں،"

"اور یہ کہ میرے پیٹ میں جو حمل ہے وہ صرف آپ ہی کی طرف سے ہے!"

"پس میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے رسوا مت کیجیے گا، اور میرا عیب چھپالیں، اللہ عزوجل آپ کا عیب چھپائے گا!"

(امام اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) میں نے اس کی بات سنی، اور اس کے اس معاملے پر بالکل خاموش رہا، پھر وہ چلی گئی..

اور کچھ عرصے کے بعد اس نے ایک بچے کو جنم دیا،

میں اچانک یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مسجد کے امام کچھ پڑوسیوں کو ساتھ لیے میرے گھر آرہے ہیں،

وہ مجھے (باپ بننے پر) مبارکباد دے رہے ہیں، اور بچے کی ولادت پر مٹھائی (مبارکباد) پیش کررہے ہیں!

چنانچہ میں نے بھی ان کے سامنے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا،

اور میں اپنے کمرے میں داخل ہوا، اور سو (100) درہم لے کر باہر آیا اور وہ رقم امامِ مسجد کو تھمادی،

اور میں نے ان سے کہا: "اللہ آپ کو خیر کی بشارت دے!"

"آپ یہ بات جانتے ہی ہیں کہ میں نے اس خاتون کو طلاق دے رکھی ہے،"

"لیکن میں اس نومولود بچے کا نفقہ (خرچہ) اٹھانے کا پابند ہوں!"

"پس یہ رقم اس بچے کی ماں کو دے دیں، اور میں ہر مہینے کے آغاز میں اتنی ہی رقم دینے کا ذمہ لیتا ہوں،" "اور آپ سب اس بات پر گواہ رہیں!"

میں اسی بات پر مستقل قائم رہا بغیر اس کے کہ میں نے اس عورت یا اس کے بچے کو کبھی دیکھا ہو،

اور تقریباً دو سال گزرنے کے بعد وہ بچہ فوت ہو گیا،

تو لوگ میرے پاس تعزیت (افسوس) کرنے کے لیے آنے لگے!

چنانچہ میں نے ان کے سامنے اللہ کی قضا اور اس کی تقدیر پر کامل تسلیم و رضا کا اظہار کیا، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ایک بہت بڑا غم مجھ پر طاری ہو چکا تھا (اس پاکدامن خاتون کے عیب چھپ جانے کی خوشی پر)،

کیونکہ میں نے اس مصیبت کا تصور کیا تھا جو اس دکھی (مظلوم) ماں پر ٹوٹی تھی!

اور اچانک ایک رات میرے دروازے پر دستک ہوئی،

پس جب میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی عورت کھڑی ہے اور اس کے پاس درہموں کی ایک تھیلی ہے،

اور اس نے روتے ہوئے مجھ سے کہا:

"یہ وہ درہم ہیں جو آپ مجھے ہر مہینے بھیجا کرتے تھے،"

"اللہ آپ کا عیب چھپائے (آپ پر پردہ ڈالے) جیسے آپ نے میرا عیب چھپایا تھا!"

میں نے وہ رقم اسے واپس لوٹانے کی کوشش کی، مگر اس نے انکار کر دیا،

اور وہ اپنے راستے پر چلی گئی...

اور ابھی صرف ایک سال ہی گزرا تھا کہ اچانک اس (عورت) کی شادی ایک امیر اور صاحبِ ثروت شخص سے ہو گئی،

جس نے مجھے اپنی تجارت میں (بزنس پارٹنر) شریک کرلیا،
اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد مجھ پر رزق کے ایسے دروازے کھول دیے جہاں سے میرا گمان بھی نہ تھا!

اے صحابیہ!

شیخ محمد راتب النابلسی نے اپنے ایک خطبے میں روایت کیا ہے:
کہ پچاس سال پہلے دمشق کے خطیبوں میں سے ایک خطیب نے،
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:
"اپنے پڑوسی فلاں شخص سے کہہ دو: وہ جنت میں میرا رفیق (ساتھی) ہے!"
اور ان کا وہ پڑوسی ایک نہایت غریب دکاندار (بائع) تھا،
خطیب نے اپنے پڑوسی کا دروازہ کھٹکھٹایا، تو اس نے دروازہ کھولا اور ان کا استقبال کیا، چنانچہ خطیب نے اس سے کہا:
"میرے پاس تمہارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک خوشخبری ہے،"
"لیکن میں تمہیں یہ تب تک نہیں بتاؤں گا جب تک تم مجھے یہ نہ بتاؤ کہ تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا؟!"
پس پڑوسی نے شروع میں بات کرنے سے انکار کردیا،
لیکن خطیب نے اس پر قسم کھائی، اور اصرار کیا،
تو پڑوسی نے ان سے کہا: "میں نے ایک عورت سے نکاح کا پیغام (رشتہ) بھیجا تھا، اور میں نے اس سے شادی کرلی"،
اور پانچویں مہینے میں وہ نویں مہینے کی حاملہ تھیں!
یعنی حمل میرا نہیں تھا!

اس کا قدم پھسل گیا تھا، اور میں چاہتا تو اسے رسوا کر سکتا تھا،
مگر میں نے پردہ پوشی کرنی چاہی، شاید وہ میرے ہاتھ پر توبہ کر لیتی،
میں اس کے پاس دایا (قابلہ) کو لے کر آیا،
اور اس نے رات کے وقت بچہ جن لیا،
اور میں نے فجر کی نماز کے لیے اس بچے کو اپنی عبا کے نیچے چھپا لیا،
اور نماز شروع ہونے کے بعد اپنے محلے کے علاوہ کسی اور مسجد میں داخل ہو گیا،
چنانچہ میں نے دروازے کے پیچھے بچہ رکھ دیا اور نمازیوں کے ساتھ شامل ہو گیا،
اور مجھے کسی نے نہیں دیکھا!
پھر جب نماز ختم ہوئی تو نمازی بچے کے گرد جمع ہو گئے،
تو میں ایسے آیا جیسے مجھے کوئی خبر ہی نہ ہو،
اور میں نے ان سے کہا: میں اس کی کفالت کرتا ہوں، یہ مجھے دے دو کیونکہ میں اولاد کے لیے بے تاب ہوں!
چنانچہ میں نے محلے والوں کے سامنے اسے لاوارث (لقیط) کے طور پر لے لیا،
اور اسے اس کی ماں کو واپس لوٹا دیا، اور اس کی بہترین پرورش کی،
اور اس کے بعد اس نے توبہ کر لی
اور وہ ایک بہترین ماں اور اچھی بیوی ثابت ہوئی!

❁❁❁

ایک انوکھا صدقہ!

تم بھی ایک صحابیہ ہو!

تم نے تمام غزوات کا مشاہدہ کیا ہے،
تم نے دیکھا ہے کہ اسلام کبھی تلوار کے زور پر نہیں پھیلا،
مگر وہ حق جسے طاقت کا سہارا نہ ہو، لوگ اسے باطل بنا دیتے ہیں!
اور جب تک بلند و بالا اصول حکمرانی نہ سنبھال لیں،
عزم و استقلال کو اس کے لیے راہ ہموار کرنی پڑتی ہے!
اسلام میں جہاد دل کی بھڑاس نکالنے یا انتقام لینے کا نام نہیں ہے،
بلکہ اس عظیم دین کو معاشرے میں استوار کرنے کے لیے ہے،
اور اسی غرض سے کہا گیا تھا: جاؤ، تم سب آزاد ہو!
تاریخ میں نہ تو اسلام جیسا شفیق و مہربان کوئی مذہب ملتا ہے،
اور نہ ہی مسلمانوں جیسے نجیب و شریف جنگجو!
اور آج تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فیصلہ کن غزوہ میں شریک ہو،
یہ غزوۂ تبوک ہے!
وہ غزوہ جو مدینہ منورہ (جو کہ اسلام کا مرکز ہے) سے سب سے زیادہ فاصلے پر ہے!
اور آب و ہوا کے اعتبار سے بھی سب سے کٹھن ہے، کیونکہ موسمِ گرما تھا اور صحرا آگ اگل رہا تھا!
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لشکر کی تیاری کے لیے مالی وسائل نہیں تھے،
اسی لیے اس لشکر کا نام "جیشِ عسرت" (تنگی اور مشکلات کا لشکر) پڑ گیا،
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ و خیرات کی ترغیب دی،

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمیشہ کی طرح، اس چیز کی خاطر جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہے، اپنے اموال کے ساتھ میدان میں نکل آئے اور دل کھول کر مالی تعاون کیا۔

چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے تمام مال کے ساتھ تشریف لائے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے کر آئے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سارا صدقہ پیش کیا۔

مگر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو ایک سخی اور فیاض سرمایہ دار تھے،

انہوں نے (تنہا) ایک تہائی لشکر کا ساز و سامان فراہم کر دیا!

انہوں نے ایک ایسا بلند و بالا نبوی اعزاز پایا جو اپنی مثال آپ تھا!

"آج کے دن کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا!"

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدقہ و خیرات کی ترغیب دے رہے تھے،

تو حضرت عُلبہ بن زید رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! میں فقیر آدمی ہوں، میرے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے،

لیکن میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی عزت (کا معاملہ) مسلمانوں میں سے اس شخص پر صدقہ کر دیا جو مجھے تکلیف دے!

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عُلبہ رضی اللہ عنہ کے اس قول پر اس وقت کوئی تبصرہ نہیں فرمایا

مگر اگلے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وہ کون ہے جس نے کل رات اپنی عزت کا صدقہ کیا تھا؟"

چنانچہ حضرت عُلبہ بن زید رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ میں ہوں!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ نے تم سے تمہارا یہ صدقہ قبول فرما لیا ہے!

اے صحابیہ!

اگر کبھی تیرے اور کسی بہن یا سچی دوست کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے،

اور تجھے یہ نظر آئے کہ حق تیرے ساتھ ہے، تو زیادہ انتظار مت کر!

کیونکہ اختلاف جتنا طوالت اختیار کرے گا، دوری اتنی ہی بڑھتی جائے گی!

پس پہل کر، اور شیطان کو یہ موقع مت دے کہ وہ تیری عزت اور انا کے تار چھیڑ تا رہے!

اور یہ دعا کر: اے اللہ! میں نے اپنی عزت اور مجھ پر ہونے والی زیادتی تیرے کریم چہرے کی خاطر صدقہ کر دی!

بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ وہی معاملہ فرماتا ہے جو وہ بندوں کے ساتھ کرتے ہیں، جو معاف کر دے، اللہ اسے معاف کر دیتا ہے!

اور جو دوسروں کی لغزشیں معاف کر دے، اللہ تعالیٰ اس کی لغزش کو معاف فرما دیتا ہے،

اور اس بات کو یاد رکھ کہ یہ بات عقل و انصاف کے خلاف ہے کہ ہم تو اللہ سے معافی کی طلبگار رہیں،

مگر ہم خود لوگوں کو معاف کرنے کے لیے تیار نہ ہوں!

حافظ ذہبی رحمہ اللہ علیہ نے مسعود بن محمد الہمذانی رحمہ اللہ علیہ کے تذکرے میں لکھا ہے:

کہ وہ بہترین لوگوں میں سے تھے،

بہت زیادہ معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے تھے،

اور جب ان کے پاس کوئی ایسا شخص آتا جو ان کو راضی کرنے کی کوشش کرتا، تو وہ فوراً کہہ دیتے:

"ماضی کی بات اب یاد نہیں کی جائے گی!"

پھر جب وہ فوت ہو گئے، تو انہیں خواب میں دیکھا گیا،

تو ان سے پوچھا گیا: اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟

تو انہوں نے کہا: اللہ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور مجھ سے فرمایا:

"اے مسعود! ماضی یاد نہیں کیا جاتا!

اسے جنت میں لے جاؤ!"

اے صحابیہ!

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ابھی تمہارے سامنے ایک ایسا شخص نمودار ہوگا جو جنتیوں میں سے ہے!"

اتنے میں انصار میں سے ایک شخص ظاہر ہوا، جس کی ڈاڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا!

پھر جب اگلا دن ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (پہلے کی طرح) یہی بات ارشاد فرمائی،

چنانچہ وہی شخص نمودار ہوا جو پہلے دن ظاہر ہوا تھا!

اور جب تیسرا دن ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پہلی والی بات پھر دہرائی،

اور وہی شخص پھر نمودار ہوا!

پھر جب مجلس برخاست ہوگئی تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اس شخص کے پیچھے گئے اور اس سے کہا:

میرا اپنے والد کے ساتھ کچھ جھگڑا ہو گیا ہے، لہذا میں نے قسم کھائی ہے کہ تین دن تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا،

پس اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اس وقت تک آپ کے پاس مہمان بن کر رہ سکتا ہوں جب تک یہ مدت پوری نہ ہو جائے!

تو اس نے کہا: جی ہاں! چنانچہ عبداللہ (بن عمرو) رضی اللہ عنہما اس شخص کے پاس ٹھہرے،

انہوں نے دیکھا کہ وہ رات کو (عبادت کے لیے) نہیں اٹھتا،

ہاں سوائے اس کے کہ جب آنکھ سے نیند اچٹ جاتی تو وہ بستر پر ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر

کرنے لگ جاتا،

عبداللہ رضی اللہ عنہما کو اس شخص کی عبادت کچھ کم معلوم ہوئی، چنانچہ اس نے اس سے کہا:

میرے اور میرے والد کے درمیان نہ تو کوئی غصہ تھا اور نہ ہی قطع رحمی،

بلکہ بات یہ تھی کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا تھا،

تو میں نے چاہا کہ آپ کے پاس آ کر رہوں تا کہ دیکھوں آپ کیا عمل کرتے ہیں،

سو میں نے تو آپ کا کوئی بہت زیادہ عمل نہیں دیکھا، پھر کس چیز نے آپ کو اس بلند مقام تک پہنچا دیا؟

اس نے کہا: بس وہی ہے جو آپ نے دیکھا!

سوائے اس کے کہ میں اپنے دل میں کسی بھی مسلمان کے لیے نہ تو خیانت پاتا ہوں،

اور نہ ہی کسی ایسے شخص سے حسد کرتا ہوں جسے اللہ نے کوئی بھلائی عطا کی ہو،

اور جب میں اپنے بستر پر لیٹتا ہوں تو یہ کہتا ہوں:

"اے اللہ! میں نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کر دیا!"

عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اس سے کہا: یہی وہ چیز ہے جو آپ کو اس مقام تک لے پہنچی ہے،

اور یہ ایسی چیز ہے جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے!

ذرا دیکھو تو سہی کہ عفو و درگزر انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔

اے صحابیہ!

وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے اور جنتیوں میں سے ہے،

کسی چیز کی وجہ سے نہیں سوائے اس کے کہ اس کا دل ہر قسم کے کینے سے پاک ہے!

وہ لوگوں کے لیے بھلائی پسند کرتا ہے، اور دوسروں کے پاس جو کچھ ہے اس پر للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھتا،

اور یہ مرتبہ صرف اسی صحابی کے ساتھ خاص نہیں ہے،
بلکہ یہ ایک ایسا دروازہ ہے جس سے ہر اس جیسا شخص داخل ہوسکتا ہے!
اور تم نے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پہچان لیا ہے، پس اس میں داخل ہو جاؤ!

اے صحابیہ!

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے گئے اس حال میں کہ وہ بیمار تھے،
انہوں نے ان کے چہرے کو چمکتا ہوا پایا،
چنانچہ انہوں نے پوچھا: آپ کا چہرہ کیوں چمک رہا ہے؟
انہوں نے جواب دیا: میرے اعمال میں سے دو چیزیں میرے نزدیک سب سے زیادہ بھروسے کے لائق ہیں!
پہلی چیز تو یہ ہے کہ: میں لایعنی باتوں (جن سے میرا کوئی تعلق نہیں) میں گفتگو نہیں کرتا تھا، دوسری چیز یہ ہے کہ: میرا دل تمام مسلمانوں کے لیے بالکل صاف اور سلامت رہتا تھا!
ذرا اس عظیم دین کی گہری سمجھ پر تو غور کرو!
ایک جلیل القدر صحابی جو ایمان لائے، جہاد کیا، نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، اور صدقہ و خیرات کی،
مگر وہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ان کے تمام اعمال میں سب سے بہترین عمل ان کے دل کا کینے سے پاک ہونا ہے!
اپنے دل کو پاک صاف رکھو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نظر کا مرکز ہے،
بے شک اللہ تعالیٰ صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے!

اے صحابیہ!

حضرت زین العابدین علی بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ اپنے غلمان (خادموں) کے ساتھ مسجد کی طرف جارہے تھے،

راستے میں ایک شخص نے ان کا راستہ روکا اور انہیں برا بھلا کہا!

تو آپ کے غلاموں نے اس کی پٹائی کا ارادہ کیا لیکن آپ نے انہیں روک دیا،

اور اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے شخص! میرے اندر وہ عیب بھی موجود ہیں جو تم نے بیان کیے،

بلکہ میرے وہ عیب جو تم نہیں جانتے وہ اس سے بھی زیادہ ہیں جو تم نے جانے ہیں!

پھر آپ نے حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم دے دیے جائیں!

چنانچہ وہ شخص یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نبوت کے گھرانے سے ہو!

اسی طرح دلوں کو خریدا جاتا ہے، اور آگ کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے!

دوسروں کا برتاؤ کرنا تو ان کا فعل ہے،

مگر اس فعل کا باقی رہنا یا اس کا ختم ہو جانا تمہارے ردِ عمل پر منحصر ہے!

اگر تم ہر بات کا حساب چکانے بیٹھ گئی،

تو تمہاری پوری زندگی ایک میدانِ جنگ بن جائے گی!

اور اگر تم ہر برائی کے جواب میں غصے اور انتقام کی رو میں بہہ نکلی،

تو تم اپنا خون، اپنے اعصاب اور خود اپنی جان کو جلا کر راکھ کر دو گی!

جب تم درگزر سے کام لیتی ہو تو دراصل تم اپنے آپ کو بھی جیت لیتی ہو،

اور دوسروں کو بھی جیت لیتی ہو!

اے صحابیہ!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بازار گئے تا کہ کچھ کھانا خریدیں،

تو ایک چور نے ان کا مال چرا لیا!

چنانچہ لوگ چور کے خلاف بددعا کرنے لگے،

اور ان میں سے کچھ یہ کہہ رہے تھے: اے اللہ! اس کے اعضاء کو مفلوج کر دے!

مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: چور کے حق میں بددعا مت کرو!

پھر آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! اگر اسے اس کام پر مجبوری نے ابھارا تھا،

تو اس میں اس کے لیے برکت عطا فرما!

اور اگر اسے یہ کام کرنے کی جرأت گناہ کی وجہ سے ہوئی تھی،

تو اس گناہ کو اس کا آخری گناہ بنا دے!

ذرا گنہگاروں اور خطا کاروں کے ساتھ اس رحمت پر تو غور کرو!

اور حق سے درگزر کرنے کی اس عظمت کو تو دیکھو!

حالانکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ اس بات کے حق دار تھے کہ وہ چور کے خلاف بددعا کرتے، کیونکہ اولاً و آخراً وہی اس مال کے مالک اور اس معاملے سے براہِ راست متاثر ہونے والے تھے!

مگر وہ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) سب سے پہلے عفو و درگزر سے کام لینے والے بنے،

یہاں تک کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ لوگوں کو چور کے خلاف بددعا کرنے سے روکا، بلکہ اس سب پر مستزاد یہ کہ انہوں نے چور کے حق میں خود بھی دعا فرمائی:

"اے اللہ! اگر وہ فقیر و محتاج تھا تو اس مال میں برکت عطا فرما،

اور اگر وہ محتاج نہیں تھا تو اس گناہ کو اس کے گناہوں کا آخری خاتمہ بنا دے!"

یہ کیسا بلند مرتبہ ہے؟!

یہ لوگ مکتبِ نبوت کے تربیت یافتہ تھے،

اور انہوں نے شروع ہی میں یہ بات جان لی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہونے سے پہلے،

یہ لازمی ہے کہ انسان خود لوگوں کو معاف کرنے میں پہل کرے!

❀❀❀

جنت میں ایک گھر!

اے صحابیہ!

یہ تذکرہ تمہیں تسلی دے گا، اور گزری ہوئی صالحات خواتین کے حالاتِ زندگی تمہیں ڈھارس بندھائیں گے،

اور تم زمانے کے دھارے میں پیچھے کی طرف لوٹتی ہو اس چیز کی تلاش میں جو تمہارے دل کو سکون بخشے،

اور آج تم گزرتے دنوں کے ساتھ توحید کے ہیرو اور سورماؤں کے ساتھ ہو،

ایمان، صبر اور عزیمت کے پہاڑ کے ساتھ ہو،

ایک ایسی خاتون جس نے فرعون کے گھر میں زندگی گزاری،

حالانکہ وہ اپنے اسلام، اپنی عبادت اور اپنے رب پر ایمان کو چھپائے ہوئے تھی،

کیونکہ وہ ایک ایسے شخص کے نکاح میں تھی جو تاریخ میں کفر، سنگ دل اور جبر و استبداد کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھا،

بلکہ وہ تو لوگوں سے کہا کرتا تھا: میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں!

اور اس بات پر وہ لوگوں کو قتل بھی کیا کرتا تھا!

پس اس کا گھر ظلم کا گڑھ تھا،

وہ مردوں، بچوں کو قتل کرتا، عورتوں کو زندہ رکھتا اور انسانوں کو غلام بنا رکھتا تھا!

مگر اس کے برعکس، فرعون کا یہ گھر اہلِ ایمان میں سے ایک ایسی شخصیت کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا،

اور ان ہی شخصیات میں سے اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھیں،

جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ماں کے درجے میں تھیں،

اور وہ ایسی ہستی تھیں جنہوں نے حکمِ الٰہی سے موسیٰ اور قتل کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑی ہوگئی تھیں،

بات دراصل یہ تھی کہ فرعون مصر میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کر دیا کرتا تھا،

اس خواب کے بعد جو اس نے دیکھا تھا

جس سے اسے اپنے منصب اور تخت جانے کا خوف لاحق ہو گیا تھا!

اس نے دیکھا تھا کہ اس کے محل میں ایک آگ آ پہنچی ہے،

خواب کے تعبیر بتانے والوں نے اس کی یہ تعبیر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے،

جو اس کے ہاتھوں اس کی سلطنت کے زوال کا سبب بنے گا!

آسیہ وہ خاتون ہیں جن کے دل میں ایمان نے گھر کرنا شروع کر دیا،

پس انھوں نے اس بات کا پورا اہتمام کیا کہ ان کا ایمان نہ تو زبان پر آئے اور نہ ہی ظاہر ہو، کیونکہ وہ فرعون کو سب سے بہتر جانتی تھیں!

وہ جانتی تھیں کہ وہ ظالم، مکار اور جھوٹا ہے،

اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ ایسا شخص اپنی قوم کے لیے رب بن جائے یہاں تک کہ وہ اس کی عبادت کریں،

جبکہ وہ بیمار بھی ہوتا تھا، تھکتا بھی تھا، اپنی ضرورتیں بھی پوری کرتا تھا، سوتا تھا اور پریشان ہوتا تھا!

مگر وہ اپنی فطرت کی رو سے یہ جانتی تھیں کہ ان کا ایک خالق ہے،

ان کا ایک ایسا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں!

اور یہ کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی بھی معبودِ برحق نہیں ہے!

پس جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کس طرح فرعون سے گفتگو کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ مناظرہ کر رہے ہیں،

اور انہوں نے ان کے بھائی ہارون کو فصیح و بلیغ اور واضح زبان میں بات کرتے ہوئے دیکھا، اور موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں معجزات و دلائل کا مشاہدہ کیا،

تو ان کے دل کے اندر یہ یقین پختہ ہو گیا کہ برحق معبود صرف اور صرف موسیٰ اور ہارون کا رب ہی ہے!

پس آغاز میں تو یہ معاملہ بہت کٹھن تھا،

لیکن جب ایمان ان کے دل میں رچ بس گیا تو انہوں نے فرعون کے سامنے ڈٹ جانے کا فیصلہ کر لیا،

چنانچہ انہوں نے اس سے کہا: اے فرعون! میں نے تیرا انکار کر دیا ہے!

تو اس نے حیرت سے جواب دیا: تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟!

انہوں نے کہا: میں نے تیری خدائی کا انکار کر دیا ہے اور اب مجھے اس کی کوئی پروا نہیں!

میں تو صرف موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئی ہوں، اور اے ظالم! میں نے تیری خدائی کا انکار کر دیا ہے!

اور یہ کلمہ فرعون کے لیے سب سے زیادہ شاق اور گراں گزرنے والا کلمہ تھا!

کیونکہ اس نے اپنی بیوی کی زبان سے توحید کا اقرار سن لیا تھا!

انہوں نے یہ بات براہِ راست فرعون کے منہ پر کہی اور ذرا برابر بھی اس کی پروا نہیں کی! اور جو وہ اس کے ساتھ کرنے والا تھا!

چنانچہ اس نے کوڑوں سے مارنا شروع کیا مگر آسیہ نے کوئی پروا نہ کی،

اور وہ انہیں عذاب دینے اور تکلیف پہنچانے لگا،

پھر اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا: اسے صحرا میں لے جاؤ!

چنانچہ سپاہی انہیں لے گئے اور مصر کے صحرا میں چار میخوں کے ساتھ باندھ دیا جہاں نہ کھانا تھا اور نہ پانی، پھر فرعون ان کے پاس آیا اور پوچھا:

کیا تم میرے پاس واپس لوٹنا چاہتی ہو؟

تو انہوں نے جواب دیا: ہرگز نہیں!

اس پر اس نے ان کے عذاب میں اور اضافہ کر دیا، اور انہیں جھلساتی دھوپ میں پورا دن صحرا ہی میں چھوڑ دیا! پھر جب دوسرا دن ہوا تو وہ آیا اور پوچھا:

کیا تم اپنے الفاظ بدلنے اور اپنے نفس کا محاسبہ کر کے اپنے گھر اور دین کی طرف واپس آنے کا ارادہ رکھتی ہو؟

تو انہوں نے اس سے کہا:

اللہ کی قسم! میرے ایمان اور صبر میں تو مزید اضافہ ہی ہوا ہے!

اور تیسرا دن بھی دوسرے دنوں کی طرح گزرا کہ اس نے ان کے لیے نہ تو کھانے کا انتظام کیا اور نہ ہی پانی کا،

اور انہیں تپتی ہوئی جلا دینے والی دھوپ میں ہی چھوڑ دیا!

چنانچہ وہ اپنے اس استقلال اور ثابت قدمی کی وجہ سے قیامت کے دن تک کے لیے مومنوں کے لیے ایک مثال بن گئیں!

جیسا کہ ہمارے پروردگار نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

(اور اللہ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے جب انہوں نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دے، اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے، اور مجھے ظالم قوم سے بھی نجات عطا فرما!)

پھر فرعون نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک بہت بڑی چٹان اونچی جگہ سے اٹھائیں، اور اسے اس کی بیوی کے سر پر دے ماریں یہاں تک کہ ان کا سر کچل جائے!

چنانچہ جب سپاہیوں نے چٹان اٹھا کر ان پر گرانی چاہی،

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں ان کا گھر دکھا دیا!

یہ ہے اس خاتون کی کہانی جو تاریخ کے سب سے بڑے کافر اور جھوٹے کے سامنے ڈٹ گئی تھی!

اے صحابیہ!

فرعون نے برسوں تک ہزاروں بچوں کے قتل کا جو حکم نافذ کیا تھا، وہ اللہ کی تقدیر کو نافذ کرنے کے لیے تھا،

تاکہ وہ بچہ دنیا میں آئے جو اس کی سلطنت کو تہس نہس کر کے رکھ دے،

مگر جب وہ بچہ آیا تو فرعون نے اسے اپنے ہی گھر میں زبردستی پال پوس کر بڑا کیا!

کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا،

اور دنیا بھر کے لشکر بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے فیصلے کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے، پس اس بات کا پورا یقین رکھو کہ اس زندگی میں کوئی ضائع شدہ موقع نام کی چیز نہیں ہے،

جو چیز تم سے چھوٹ گئی وہ تمہارے لیے بنی ہی نہیں تھی!

اور جو کچھ تم نے پالیا اسے کوئی بھی تم سے چھیننے کی طاقت نہیں رکھتا تھا!

جب یہ بات تمہارے دل میں اتر جائے گی تو تمہیں راحت اور سکون مل جائے گا!

وہ نوجوان جسے تم شوہر کے روپ میں چاہتی تھی مگر وہ کسی اور کے حصے میں چلا گیا،
اسے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پہلے ہی اس کے لیے مقدر کر دیا تھا،
اور وہ نوکری جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی وہ تو تمہارے لیے تھی ہی نہیں،
اور وہ بیماری جو تمہیں لاحق ہوئی اسے کسی بھی طرح ٹالا نہیں جا سکتا تھا،
اور وہ موت جو تمہارے کسی عزیز (چاہے وہ بیٹا ہو، شوہر ہو، بھائی ہو یا والدین ہوں) پر نازل ہوئی،
تم اس کے مقابلے میں کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں!
ورنہ ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ جب تمہاری موت کا وقت آجائے گا تو تم اپنی زندگی کو کیسے لمبا کرو گی؟! ہر چیز ایک مقررہ تقدیر کے تحت ہے اے صحابیہ! لہٰذا مطمئن ہو جاؤ!
اگر تم اپنے رزق سے بھاگ بھی جاؤ گی تب بھی وہ تمہارا پیچھا کرتے ہوئے تمہیں ڈھونڈ ہی لے گا، اور تمہارے حصے میں جو کچھ بھی ہے وہ تمہیں ضرور مل کر رہے گا!
پس اللہ کے ہر فیصلے پر سرِ تسلیم خم کر دے،
کیونکہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا ایمان کے بلند ترین درجات میں سے ایک ہے!

اے صحابیہ!

تیرا دین تیری ہڈیوں اور گوشت کی طرح ہے، لہٰذا اسے ہرگز مت چھوڑنا!
اور جنت کے بدلے میں جو قیمت بھی تو چکاتی ہے وہ بہت سستا سودا ہے!
یہ دیکھو! مصر کی خاتونِ اول اور شاہِ وقت کی بیوی،
جنہیں اپنی کوئی بھی بات منوانے کے لیے صرف انگلی کا اشارہ کرنا کافی ہوتا تھا،
اور ان کا صرف حکم دینا ہی تعمیلِ حکم کے لیے کافی تھا!
مگر انہوں نے اپنے دل کی نگاہ سے دنیا کو دیکھا تو اسے ایک فانی پونجی پایا،

چنانچہ انہوں نے اس چیز کا سودا کیا جو اللہ کے پاس ہے کیونکہ وہی بہتر اور باقی رہنے والی ہے!

اے میری بچی! اپنے دین کو دنیا کے بدلے مت بیچنا!

ہر وہ حرام لقمہ جو تجھے اللہ سے دور کر دے اسے ہرگز مت کھانا!

اور ہر وہ محبوب جو تجھے اللہ کی یاد سے غافل کر دے اسے چھوڑ دینا!

اور ہر وہ مجلس جو تیری نیکیاں چاٹ جائے (برباد کر دے) اس میں ہرگز مت بیٹھنا!

اور ہر وہ صحبت جس میں تو کوئی ایسی حرکت کرنے پر شرمندہ ہو جو اللہ کی فرمانبرداری کے سامنے ہو، اسے چھوڑ دینا!

انسان اکیلا ہی مرتا ہے، اکیلا ہی دفن ہوتا ہے،

اکیلا ہی اس کا حساب کتاب ہوتا ہے، اور اکیلا ہی وہ دوبارہ اٹھایا جائے گا!

لہذا فانی لوگوں کی قربت کے بدلے میں اللہ کی دائمی قربت کو ہرگز نہ کھونا!

اے صحابیہ!

جو شخص اللہ کا غدار بن جائے اس سے یہ توقع ہرگز نہ رکھنا کہ وہ لوگوں کے ساتھ وفادار رہے گا،

چنانچہ فرعون نے جب اپنی بیوی کو سولی پر چڑھایا تو اس نے محبت اور رفاقت کے تمام رشتوں سے غداری کی تھی!

مگر اس نے (فرعون نے) تو پہلے ہی اللہ سے خیانت کی تھی، اور اس کے احسان کی ناشکری کی تھی!

لوگوں کی قدر و قیمت اپنے دل میں اتنی ہی رکھو جتنی اللہ کی قدر تمہارے دلوں میں ہے!

اس سے پہلے کہ تم کسی ایسے شخص کی رفاقت قبول کرو جو تمہیں پیغامِ نکاح دے،

اس کے اپنی ماں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بہنوں کے ساتھ اس کے تعلق کے بارے میں ضرور دریافت کرو!

کیونکہ جو شخص اس ماں کو تکلیف دیتا ہے جس نے اسے اٹھایا، جنا، اور اس کی پرورش کی، وہ تمہاری تکلیف سے کیسے باز رہے گا؟!

کیونکہ تم چاہے جتنا بھی اچھا سلوک کرلو، تم کبھی بھی اس کی ماں جتنا احسان نہیں کرسکتی!

میری دادی (رحمها الله) نے جب میں چھوٹا تھا، مجھے ایک کہانی سنائی تھی،

جو آج تک میرے ذہن میں نقش ہے اور اس دنیا میں جب تک میں زندہ ہوں اسے نہیں بھول سکتا،

وہ ایک ایسی عورت کی کہانی تھی جس کا بیاہ ایک ایسے شخص سے ہوگیا جسے وہ جانتی نہیں تھی، پھر جب ان کی شادی کی پہلی صبح تھی تو وہ شخص گوشت خریدنے کے لیے بازار گیا،

اور دو قسم کا گوشت لے کر لوٹا، اور اپنی بیوی سے کہنے لگا:

یہ عمدہ اور مہنگے داموں والا گوشت ہے، اسے تم اور میں کھائیں گے،

اور یہ گھٹیا قسم کا گوشت ہے، اسے ہم اپنی ماں کو کھلائیں گے جب وہ ہمیں ملنے آئیں گی! چنانچہ اس عورت نے فوری طور پر اپنے والد کو بلا لیا،

پھر جب وہ والد آ گئے تو اس نے ان سے کہا: میں طلاق چاہتی ہوں!

جب اس کے والد نے وجہ پوچھی تو اس نے سارا قصہ سنا دیا،

اور کہا: میں کسی نافرمان اور بد بخت اولاد کے ساتھ گھر نہیں بسانا چاہتی،

اور نہ ہی مجھے اس کے ساتھ اپنی جان کا کوئی بھروسہ ہے جس نے اپنی ماں کے ساتھ ہی غداری کر ڈالی ہو!

اے صحابیہ!

تیرا شوہر چاہے کیسا بھی نافرمان اور خطا کار کیوں نہ ہو، وہ فرعون تو نہیں ہو سکتا!

اور الوہیت اور ربوبیت کے دعوے کے بعد بھلا کون سا گناہ باقی رہ جاتا ہے؟!

پس اپنے دین کو اپنے شوہر کے ساتھ وابستہ مت کرو!

یہ بات درست ہے کہ نیک شوہر دین پر استقامت میں مدد دیتا ہے،

اور بگڑا ہوا شوہر بیوی کے لیے اس کے دین میں مشکلات پیدا کرتا ہے،

مگر اجر بھی مشقت کے مطابق ہی ملتا ہے!

تم اسے اس کے پورے حقوق دو، اور اللہ کا حق ادا کرو!

لیکن یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ تم اس کے فاسد ہونے کی وجہ سے اپنی عبادتوں میں ہی کوتاہی کرنے لگو؟!

یہ ہرگز عقل کی بات نہیں ہے!

تم سے تمہارے بارے میں اکیلے ہی باز پرس کی جائے گی، کسی اور سے نہیں!

اور تم اپنی قبر میں اکیلی ہی اترو گی، اس کے ساتھ نہیں!

کبھی کبھار اللہ تعالیٰ نافرمان شوہر اور نافرمان اولاد کے ذریعے ہماری آزمائش کرتا ہے، مگر یہ سب ایک امتحان ہے!

اور اللہ دیکھ رہا ہے کہ تم اس آزمائش میں کیسا عمل کرتی ہو،

لہذا اس میں فیل مت ہونا، کیونکہ جنت اور جہنم کوئی ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کے لیے کسی کی خاطر بھی خطرہ مول لیا جائے!

اس بات پر خوب اچھی طرح غور کر لو: کسی کی بھی خاطر نہیں!

یمن کی ملکہ!

اے صحابیہ!

تمہیں ان ملکہ وشہزادیوں کے قصے بہت پسند ہیں جو دورِ دراز زمانوں میں گزری ہیں، اور جب تمہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصص قرآنِ کریم میں بھی وارد ہوئے ہیں،

تو انہیں سننے کا تمہارا شوق اور بھی بڑھ جاتا ہے،

کیونکہ تم جانتی ہو کہ تمہارا یہ ملاپ نصیحت اور دل چسپی دونوں سے بھرپور ہوتا ہے،

اور آج تمہارا واسطہ تاریخ کی سب سے مشہور ملکاؤں میں سے ایک ملکہ کے ساتھ ہے، وہ ہیں بلقیس، سبا کی ملکہ!

یہ ایک شاندار قصہ ہے جس میں بہت سے حکمت کے موتی ہیں،

اور اس میں بادشاہوں اور عظماء کے لیے دقیق عبرتیں پوشیدہ ہیں،

اور اس میں حضرت سُلیمان علیہ السلام کی حکومت کے وسعت وجلال کا بیان ہے،

جو کہ بیت المقدس سے لے کر یمن کے آخری کونوں تک پھیلی ہوئی تھی،

اور بڑے بڑے ملوک اور امراء ان کے سامنے سرنگوں ہو چکے تھے،

اور اللہ کے نبی حضرت سُلیمان علیہ السلام نے اس شاہی اقتدار کو دینِ اسلام کی دعوت کا ذریعہ بنایا تھا، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضہ انجام دیا تھا،

چنانچہ انہوں نے کسی بھی ظالم اور کافر بادشاہ کو چھوڑا نہیں مگر اسے اللہ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی،

اور صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا!

پس جو شخص دعوتِ حق کو قبول نہ کرتا تو تلوار ہی اس کا آخری فیصلہ ہوتی تھی!

اور اسی طرح پوری دنیائے آباد میں اللہ کا دین پھیل گیا اور دنیا کے کونے کونے تک

پہنچ گیا۔ملکہ سبا کے ساتھ حضرت سُلیمان علیہ السلام کا قصہ اس وقت شروع ہوتا ہے،

جب سُلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ وادیِ نمل سے گزر رہے تھے۔

پھر وہ ایک ایسی بنجر زمین میں تھے جہاں پانی کا نام ونشان نہیں تھا،

چنانچہ لشکر کو پیاس لگی تو انہوں نے پانی کا مطالبہ کیا!

اور لشکر میں ہدہد کی ذمہ داری یہ تھی کہ جب وہ سفر کی حالت میں ویرانوں اور صحراؤں میں پانی کے محتاج ہوتے اور انہیں پانی کی تلاش ہوتی،

تو ہدہد آتا اور دیکھتا کہ کیا اس خطے میں کہیں پانی موجود ہے،

اور اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو وہ قوت عطا کی تھی جس کی وجہ سے وہ زمین کے نیچے موجود پانی کو دیکھ سکتا تھا،

اور وہ زمین کے اندر پانی کو ایسے دیکھتا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیشے کے اندر پانی دیکھا جاتا ہے!

پس جب ہدہد انہیں پانی پر رہنمائی کرتا تو کہتا: پانی یہاں ہے!

پھر شیاطین چٹانوں کو چیرتے اور چشمے جاری کر دیتے،

اور وہ پانی نکال کر اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرتے!

چنانچہ جب حضرت سُلیمان علیہ السلام کے لشکر کو پیاس لگی اور وہ پانی کے محتاج ہوئے،

تو آپ نے پرندوں کا جائزہ لیا تو ہدہد کو اپنے درمیان موجود نہ پایا،

چنانچہ آپ نے اسے ذبح کرنے یا سخت عذاب دینے کی دھمکی دی، الا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کا کوئی معقول عذر لے کر آ جائے!

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ

لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ﴾

(اور آپ نے پرندوں کا جائزہ لیا اور فرمایا: کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا؟ کیا وہ غائب ہونے والوں میں سے ہے؟ میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا، یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے!)

پھر ہدہد حضرت سُلیمان علیہ السلام کے پاس آ گیا،

جب آپ علیہ السلام نے اس سے اس کی غیر حاضری کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اسے اس چیز کا علم ہو گیا ہے جس کا آپ کو علم نہیں تھا،

اور اس نے آپ کو بالکل سچی خبر دی کہ وہ یمن میں سبا کی مملکت میں تھا،

اور یہ کہ اس سرزمین پر ایک ملکہ حکمرانی کرتی ہے جسے بلقیس کہا جاتا ہے۔

اُس قوم پر یمن میں ایک ایسی عورت کی حکومت ہے،

جس کو ہر قسم کا سامانِ زندگی عطا کیا گیا ہے،

اور اسے ہر طرح کی شاہی نعمتیں اور حاکمانہ اختیارات دیے گئے ہیں،

اور اس کا ایک بہت بڑا تختِ حکومت ہے جو طرح طرح کی زینت اور جواہرات سے مزین ہے جو دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے،

پھر ہدہد نے حضرت سُلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ذکر کیا، اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کو پوجتے ہیں اور اسے سجدہ کرتے ہیں،

اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا دیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک دیا ہے!

﴿فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ * إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ *

وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ *

أَلَّا يَسْجُدُوا لِلهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ *

اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴾

"(پھر ہدہد کچھ زیادہ دیر نہ ٹھہرا (بلکہ فوراً واپس آ گیا) اور عرض کیا: مجھے ایک ایسی چیز کا علم ہوا ہے جس کا آپ کو علم نہیں ہے، اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں!

میں نے ایک عورت کو دیکھا ہے جو ان پر حکومت کرتی ہے، اور اسے ہر چیز میں سے (بہت کچھ) عطا کیا گیا ہے، اور اس کا ایک بہت بڑا تخت ہے!

میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں، اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے آراستہ کر دیا ہے، پس اس نے انہیں سیدھے راستے سے روک دیا ہے، تو وہ راہِ راست پر نہیں آتے!

(وہ اس بات کی توفیق کیوں نہیں پاتے) کہ وہ اس اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتا ہے، اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو؟

اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، جو بڑے عرش کا رب ہے!)"

پس اس پر سُلیمان علیہ السلام نے ایک خط کے ساتھ ہدہد کو اپنا قاصد بنا کر روانہ کیا، تا کہ وہ اسے اس ملکہ تک پہنچا دے،

اور یہ خط اس دعوت پر مشتمل تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار

کریں، اور سُلیمان علیہ السلام کی بادشاہی اور ان کے اقتدار کے سامنے سرنگوں ہو جائیں،

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اذْهَب بِّكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِه إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ﴾

میرا یہ خط لے جاؤ اور اسے ان کی طرف ڈال دو، پھر ان سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں!

چنانچہ ہد ہد نے حضرت سُلیمان علیہ السلام کا خط اٹھایا،

اور بلقیس کے محل میں آ کر اسے اس کے تخت پر ڈال دیا،

پھر وہ ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا تا کہ دیکھے کہ اس کا کیا جواب آتا ہے،

اور ملکہ بلقیس نے خط اٹھایا اور اسے پڑھا۔

پھر اس نے اپنے امراء، وزراء اور اپنی سلطنت کے اکابرین کو مشورے کے لیے جمع کیا، پھر کہا:

﴿قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ * إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ * أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ﴾

"(ملکہ نے کہا: اے درباریو! میری طرف ایک نہایت باعزت خط ڈالا گیا ہے،

اور وہ سُلیمان کی طرف سے ہے، اور وہ (شروع ہوتا ہے) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے،

(اس میں لکھا ہے کہ) تم مجھ پر سرکشی مت کرو اور فرماں بردار بن کر میرے پاس آ جاؤ!)"

پھر اس نے اپنے اس معاملے میں اور جو مصیبت اس پر آ پڑی تھی اس میں ان سے مشورہ کیا:

﴿ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ * قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴾

(اس نے کہا: اے درباریو! اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں کسی معاملے کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس حاضر نہ ہو!

انہوں نے جواب دیا: ہم طاقت والے اور سخت لڑائی والے ہیں، اور اصل اختیار آپ کے پاس ہے، لہذا آپ خود ہی سوچ لیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں!)

مھر بلقیس نے اس معاملے میں بڑے گہرے غور و فکر اور عقل مندی سے کام لیا،

اور وہ ان کے جوش و خروش اور جذبے کی طرح بے صبری کا شکار نہیں ہوئی،

کیونکہ اس کی رائے ان سب کی آراء سے زیادہ پختہ اور درست تھی،

اور وہ جان گئی تھی کہ اس خط کا لکھنے والا بہت طاقتور اقتدار والا ہے،

جو اپنے دشمنوں پر غلبہ پاتا ہے، نہ کسی سے دھوکا کھاتا ہے اور نہ ہی مکار ہے!

بلکہ اس نے کہا:

﴿ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴾

(اس نے کہا: جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں، اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں، اور وہ ایسا ہی کرتے ہیں!)

پھر بلقیس نے اپنے ملک کے مردوں اور وزراء کے سامنے ایک ایسی رائے رکھی،

جسے اس نے اس پیش آمدہ مسئلے کا سب سے بہترین حل پایا،

اور وہ یہ تھی کہ وہ حضرت سُلیمان علیہ السلام کی خدمت میں بطور ہدیہ کچھ تحائف بھیجے،

اور اس کے ذریعے ان کی محبت اور رغبت حاصل کرنے کی کوشش کرے،

اور اس نے یہ تحفہ اپنے دانا اور عقل مند مردوں کے سپرد کیا،

تا کہ وہ جا کر حضرت سُلیمان علیہ السلام کی طاقت اور قوت کا اندازہ لگائیں،

پھر اس کے بعد وہ اپنے معاملے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے،

اس روشنی میں جو حضرت سُلیمان علیہ السلام کی طاقت اور شان وشوکت کے بارے میں اسے ملی تھی۔

﴿وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ﴾

(اور میں ان کی طرف ایک تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں!)

اور بلقیس نے اپنے کچھ آدمیوں کو ہیرات اور جواہرات سے بھرے ہوئے ایک تحفے کے ساتھ روانہ کیا،

چنانچہ جب وہ حضرت سُلیمان علیہ السلام کے پاس آئے اور بلقیس کا تحفہ ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے اسے قبول نہیں کیا!

اور ان پر واضح کر دیا کہ انہیں ان کے تحفے کی کوئی حاجت نہیں ہے!

اور یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے،

جو ان کے پاس موجود نعمتوں سے کہیں بڑھ کر ہیں!

پھر آپ نے انہیں دھمکی دی کہ وہ ان کے دیس کی طرف ایسے لشکروں کے ساتھ روانہ ہوں گے جن کا مقابلہ کرنے کی ان میں کوئی طاقت نہیں ہوگی،

اور وہ انہیں ذلیل وخوار کر کے ان کے اپنے ہی علاقے سے باہر نکال دیں گے!

﴿فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ

أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ *
ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾

(پھر جب وہ (قاصد) سُلیمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا: کیا تم مال کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ پس جو کچھ اللہ نے مجھے عطا کیا ہے وہ اس چیز سے بہتر ہے جو اس نے تمہیں دی ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو!

تم ان کی طرف واپس جاؤ، ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کا مقابلہ کرنے کی ان میں ذرا بھی طاقت نہیں ہوگی، اور ہم انہیں وہاں سے ایسی حالت میں ذلیل کر کے نکالیں گے کہ وہ بالکل بے بس ہوں گے!)

پھر جب بلقیس کے قاصد اس کے پاس واپس لوٹے تو انہوں نے اسے حضرت سُلیمان علیہ السلام کا حال بتایا،

اور جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا یعنی سُلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا جلال، ان کے لشکر کی کثرت، اور ان کی ہیبت وطاقت، اس کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا،

اور اسے بتایا کہ انہوں نے ان کے تحفے واپس کر دیے ہیں اور انہیں ذرا بھی پسند نہیں کیا، اور یہ کہ وہ ایک عظیم اور جرار لشکر کے ساتھ ان کے ملک پر حملہ کرنے کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں، ایسا لشکر جس کا مقابلہ کرنے کی یہ کوئی سکت نہیں رکھتے!

جب ملکہ بلقیس نے حضرت سُلیمان علیہ السلام کے بارے میں اپنے قاصدوں کی خبریں سنیں، اور ان کی عظیم الشان سلطنت کا حال سنا،

تو اسے ان کی حکمرانی کی عظمت اور ان کی ہیبت کا پورا یقین ہو گیا،

اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کا مقابلہ کرنے کی اس میں کوئی طاقت نہیں ہے،

چنانچہ اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا:
میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہوں تا کہ دیکھوں کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں!
اور وہ اپنے مردوں اور جماعت کے ساتھ ایک بڑے لشکر کی صورت میں حضرت سُلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہو گئی۔
پھر جب حضرت سُلیمان علیہ السلام کو اس بات کا علم ہوا کہ وہ ان کی طرف آ رہی ہیں،
تو آپ نے اس کے لیے شیشے کا ایک عظیم الشان محل تیار کروایا،
اور اس کے گزرنے کے راستے میں پانی جاری کیا اور اس پر شیشے کی چھت ڈالی،
اور اس پانی کے اندر مچھلیاں اور جاندار چھوڑ دیے،
اس طرح کہ دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا کہ وہ پانی کے گہرے سمندر میں چل رہا ہے،
اور حضرت سُلیمان علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ وہ بلقیس پر اپنی عظمت اور سلطنت کے ایسے دلائل ظاہر کریں جو اسے دنگ کر دیں،
اور وہ اپنی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھے جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا،
اور یہ کہ وہ اس کا تخت اس کے محل میں لے آئیں تا کہ وہ اس پر بیٹھ سکے!
اس عظیم الشان محل میں آپ کی نبوت پر ایک روشن اور واضح دلیل تھی کیونکہ اس نے اپنے محل میں تالے لگائے تھے اور اس کی پوری حفاظت کی تھی،
چنانچہ آپ نے اپنے لشکر اور خاص کارندوں کو حکم دیا کہ وہ ایک طاقتور مخلوق کے بارے میں بتائیں، جو بلقیس کا تخت اٹھا کر آپ کے پاس لے آئے،
تو جنات میں سے ایک طاقتور عفریت نے پیشکش کی اور اس نے خبر دی کہ وہ بلقیس کا تخت لانے پر قادر ہے،

اتنے قلیل وقت میں جو آدھے دن سے تجاوز نہ کرے!

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت سُلیمان علیہ السلام کا یہ قول نقل کرتا ہے:

﴿قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ * قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ﴾

(سُلیمان نے کہا: اے درباریو! تم میں سے کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے اس سے پہلے کہ وہ لوگ فرماں بردار ہو کر میرے پاس آئیں؟

جنات میں سے ایک طاقتور عفریت نے کہا: میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا اس سے پہلے کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں، اور بیشک میں اس پر پوری طاقت والا اور امانت دار ہوں!)

حضرت سُلیمان علیہ السلام فجر کے وقت سے لے کر آدھے دن تک لوگوں کے فیصلے کرنے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کے پاس اہلِ ایمان میں سے ایک صاحبِ علم بزرگ موجود تھے، جو تقویٰ میں مشہور تھے اور جنہیں اللہ نے اپنا اسمِ اعظم عطا فرما رکھا تھا،

﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ﴾

(اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا: میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے!)

یعنی اس سے پہلے کہ تمہاری نظر تم تک واپس لوٹے، جب تم اپنی نگاہ کو انتہائی دور دراز حد تک اٹھاؤ اور پھر اسے بند کرو!

اور معاملہ ویسا ہی ہوا جیسا اس نے کہا تھا،

اچانک بلقیس کا تخت اس کی تمام عظمت اور آرائش کے ساتھ محل میں موجود، کھڑا ہوا تھا، اللہ کے نبی حضرت سُلیمان علیہ السلام کے سامنے!

پھر جب حضرت سُلیمان علیہ السلام نے اس قلیل مدت میں بلقیس کے تخت کو اپنے پاس دیکھا، تو آپ نے وہ کہا جس کی خبر اللہ نے اس آیت میں دی ہے:

﴿ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴾

(یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟ اور جو شخص شکر کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرے تو بے شک میرا رب بے نیاز اور کرم کرنے والا ہے!)

پھر اللہ کے نبی حضرت سُلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ تخت کی بعض علامات اور نقش و نگار کو بدلا جائے، تاکہ اس کے ذریعے اس کی قوتِ ملاحظہ اور توجہ کا امتحان لیا جا سکے،

اور اس کی سمجھ بوجھ اور عقل کو آزمایا جا سکے:

﴿ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ *

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴾

(آپ نے فرمایا: اس کے لیے اس کا تخت بدلو، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پہچانتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو راستہ نہیں پاتے؟

پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا: گویا کہ یہ

وہی ہے! اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم عطا کر دیا گیا تھا اور ہم فرماں بردار ہو چکے تھے)

اور یہ اس کی ذہانت اور بھرپور فہم وفراست کا کمال تھا کیونکہ اس نے اس بات کو ناممکن سمجھا تھا کہ یہ اس کا اپنا تخت ہو، اس لیے کہ اس نے اسے یمن میں اپنے پیچھے سخت پہرے اور حفاظت میں چھوڑا تھا، اور کوئی یہ بات نہیں جانتا تھا کہ اس عجیب وغریب اور انوکھی کاریگری پر کوئی قدرت رکھ سکتا ہے۔

﴿فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ * وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ﴾

(پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا: کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا: گویا کہ یہ وہی ہے! اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم عطا کر دیا گیا تھا اور ہم فرماں بردار ہو چکے تھے، اور اسے اس چیز نے روک رکھا تھا جس کی وہ اللہ کے سوا پوجا کرتی تھی، بے شک وہ کافر قوم میں سے تھی!)

اور اس کے روکنے کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت سے رک گئی تھی، اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کی پیروی کرتے ہوئے سورج اور چاند کی پوجا کرتی تھی،

کیونکہ اس کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی تھی اور اس نے اللہ تعالیٰ کے سوا سورج کی پرستش کرنے والی کافر قوم کے سوا کسی کو نہیں دیکھا تھا،

حضرت سُلیمان علیہ السلام پہلے ہی اس کے محل میں داخل ہونے کا حکم دے چکے تھے،

اور آپ اپنے تخت پر جلوہ افروز تھے،

﴿فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ﴾

(پھر جب اس نے اسے دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اپنی پنڈلیاں کھول دیں،

سُلیمان نے کہا: یہ تو شیشے کا صاف اور چکنا محل ہے!)

پھر جب اس نے کھلی نشانیاں، روشن دلائل اور عجیب وغریب معجزات دیکھے،

تو اس نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اور کفر وضلالت سے بیزاری ظاہر کر دی!

اے صحابیہ!

ہر طبقے کے لوگوں میں طبعی خصائص محدود ہوتے ہیں،

حضرت سُلیمان علیہ السلام ایک نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی،

اور بادشاہت صرف حزم وعزم سے قائم نہیں رہتی!

بلکہ فرائض کی ادائیگی میں عدمِ تساہل بھی ضروری ہے،

اور یہی وہ وجہ تھی جس کی بنا پر حضرت سُلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو ذبح کرنے کی دھمکی دی تھی، اگر وہ غائب ہونے کا کوئی معقول عذر لے کر نہ آئے،

تجھے یہ بات جان لینی چاہیے کہ ہر معاشرے کے اپنے آداب ہوتے ہیں!

اور لوگوں کے ہر گروہ کے لیے خطاب کے الگ آداب اور طریقے ہوتے ہیں!

جو بات بادشاہ، صدر اور وزیر کے لیے کہی جاتی ہے، وہ دوسرے کے لیے نہیں کہی جاتی، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ منافقت، فریب یا مداہنت ہے،

بلکہ اس کا مطلب مراعاتِ حال کا ادب ہے، اور یہ بڑی عقلمندی کی بات ہے!

پس جس گروہ یا طبقے کے ساتھ تم معاملہ کرو، اس کے حالات کو اچھی طرح جان لو،

اور اس سے خطاب کرنے اور معاملہ رکھنے کے آداب میں مہارت پیدا کرو،

لوگوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ نہیں کیا جا سکتا،

اور نہ ہی سب سے ایک ہی اندازِ خطاب رکھا جا سکتا ہے،

کیونکہ اگر ہم تمام مریضوں کا علاج ایک ہی دوا سے کرنے لگیں،

تو وہ سب کے سب مر جائیں!

اے صحابیہ!

بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کو ایک محاذ اور مورچے پر مقرر فرما رکھا ہے!

اور اس کے کندھے پر ایک ذمے داری ڈال دی ہے،

اور وہ اس سے باز پرس کرے گا کہ اس نے اس محاذ کی کس حد تک نگہبانی کی ہے،

اور اس ذمے داری کو کہاں تک نبھایا ہے!

اور یہ دیکھو، اللہ کے نبی حضرت سُلیمان علیہ السلام پرندوں کا جائزہ لے رہے ہیں،

بادشاہ کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا اور سلطنت کے امور پر نظر رکھے،

اور تم بھی اپنے محاذ، اپنی ذمے داری اور اپنی امانت کی پوری طرح جواب دہ ہو،

تم اس تربیت کی ذمے داری ہو جو تم اپنے بچوں کی پرورش میں کرتی ہو،

ان اقدار کی ذمے داری ہو جن سے تم انہیں آراستہ کرتی ہو،

اور ان بنیادی اصولوں کی ذمے داری ہو جو تم انہیں سکھاتی ہو!

تم اپنے فریضے اور ذمے داری کی ادائیگی کے بارے میں جواب دہ ہو!

اور ہر اس جگہ پر تم کسی نہ کسی چیز کی ذمے دار ہو، خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو،

پس اگر تم نے اپنا فرض ادا کیا تو تمہارے لیے اجر ہے،

اور اگر تم نے کوتاہی کی تو تمہاری باز پرس ہو گی!

اے صحابیہ!

دروازہ ہمیشہ اتنا کھلا رکھو کہ عذر کی گنجائش باقی رہے،

کسی معاملے یا موقف پر اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک وہ تمہارے سامنے پوری طرح واضح نہ ہو جائے،

اور کسی غائب کے بارے میں اس کی بات سنے بغیر کوئی حتمی رائے قائم نہ کرو،
کیا ہماری دادی اماں اس جیسی مثالوں کے بارے میں یہ نہیں کہتی تھیں:
غائب کا عذر اس کے ساتھ ہوتا ہے!
حضرت سُلیمان علیہ السلام انسانوں، جنات اور پرندوں کی حکومت کے مالک تھے،
اور اس اتنی بڑی سلطنت اور اقتدار کے باوجود، اور ہدہد کی غیبت پر ناراض ہونے کے باوجود، آپ نے اس کے لیے عذر کی خاطر دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا جسے آپ نہیں جانتے تھے،
چنانچہ آپ علیہ السلام نے جو حکم صادر کیا تھا اور جو سزا تجویز کی تھی،
وہ اس بات کے ساتھ مشروط تھی کہ اگر کوئی معقول عذر آ جائے تو وہ اس سب سے بچ جائے گا،

پس اے صحابیہ! جلدی نہ کرو، اور اچھا گمان رکھو!
کتنے ہی ایسے مواقع ہوتے ہیں جن کے بارے میں ہم سخت ردِ عمل ظاہر کر دیتے ہیں، بغیر اس کے کہ ہم فریقِ مقابل کی بات سنیں!
پھر جب وہ صورت حال واضح ہوتی ہے تو ہمیں اپنے کیے پر ندامت ہوتی ہے،
تحمل اور صبر کی ایک گھڑی ندامت کے کئی دنوں سے بہتر ہوتی ہے!
اور صبر کا دامن تھامنا معذرت کرنے سے کہیں بہتر ہے،
اور جو شخص اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے وہ ملامت اور ندامت سے بچ جاتا ہے!

اے صحابیہ!

عرب کا مقولہ ہے: **"جس نے مردوں سے مشورہ کیا، اس نے گویا ان کی عقلوں میں شرکت کر لی!"**

اور یہاں "**مردوں**" کا لفظ ایک خاص مفہوم کے لیے ہے، عام معنی میں نہیں،

یعنی جس کسی انسان سے بھی ہم مشورہ کرتے ہیں، ہم دراصل اس کی عقل اور تجربات میں شریک ہوتے ہیں،

اور ملکہ بلقیس نے مشورہ کرنے کے اصول پر عمل کر کے ایک انتہائی شاندار موقف پیش کیا تھا، اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کی رائے طلب کی،

حالانکہ ملکہ ہونے کے ناطے اس کا حکم نافذ العمل تھا اور اس کا فیصلہ اٹل تھا،

پس جب تم زندگی کے کسی اہم موڑ پر ہو،

تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے مشورہ کرو جن پر تمہیں اعتماد ہو،

دو رائیں ایک رائے سے بہتر ہوتی ہیں، اور دو عقلیں ایک عقل سے بہتر ہوتی ہیں!

ایک چیز ایسی ہے جسے "تجربہ" کہا جاتا ہے اور یہ صرف وقت گزرنے کے ساتھ ہی حاصل ہوتی ہے،

اسی لیے جو لوگ اس تجربے سے گزر چکے ہوں جس کا سامنا کرنے کا تم ارادہ رکھتی ہو، ان کے پاس ایسی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جو تمہارے لیے انتہائی مفید ثابت ہو سکتی ہیں!

پھر تمہیں سرے سے آغاز کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

بہت سی ایسی مشکلات ہیں جن سے بچا جا سکتا ہے اگر ہمارے پاس تجربہ ہو،

یا اگر ہمارے پاس اس چیز کا پہلے سے تخمینہ ہو جس کا ہمیں سامنا ہونے والا ہے!

لہٰذا مشورہ کیا کرو، کیونکہ تاریخ کے ہر دور میں یہ انبیاء اور عظماء کا شیوہ رہا ہے!

اے صحابیہ!

مادی اشیاء سے مرعوب نہ ہو جایا کرو،

دولت، گھروں اور گاڑیوں سے بھی بڑھ کر کچھ اہم چیزیں ہوتی ہیں،

دین اور اخلاق ان سب سے کہیں زیادہ اہم ہیں!

ہدہد سے سیکھو کہ چیزوں کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے،

اس سے سیکھو کہ تمہارے پاس زندگی کو جانچنے کا ایک دینی پیمانہ ہونا چاہیے،

ملکہ بلقیس کی عظیم سلطنت ہدف کو مرعوب نہ کر سکی!

بلکہ اس نے ان کی طرف شفقت کی نگاہ سے دیکھا،

جب اس نے انہیں دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں،

تو اس کی فطرت نے پہچان لیا کہ دین سب سے پہلے ہے اور دنیا بعد میں،

یہ وہ سچی حقیقت ہے جسے ہدہد نے سمجھا لیکن بہت سے لوگ اس سے غافل ہو گئے،

اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو مغرب کا سفر کرتے ہیں تو وہاں سے مصلوبِ فتنہ ہو کر لوٹتے ہیں!

وہ وہاں کی چیزوں کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی قوم کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں!

بے شک یہ ماننا پڑے گا کہ اس قوم کے پاس ترقی یافتہ تمدن، پر تعیش زندگی، اور یہ کہ ان کے پاس آزادیِ اظہار اور ان کی عزت کرنے والی حکومت موجود ہے،

اور یہ اصول ہمارے دین کی بھی بنیاد ہے اگرچہ آج ہمارے پاس اس کا بہت سا حصہ نہیں پایا جاتا،

لیکن کیا کوئی یہ پوچھتا ہے کہ اس قوم کا دین کیا ہے اور اپنے رب کے ساتھ ان کا کیا حال ہے؟! وہاں خاندانی نظام کا کیا حال ہے؟

عفت، ناموس اور حیا کا کیا عالم ہے؟

اور جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان کا کیا ٹھکانا ہوتا ہے، کیا وہ اپنے بچوں کے گھروں میں ہوتے ہیں یا اولڈ ایج ہومز (عاجز خانوں) کی چار دیواری میں!

تمہاری نظر آسمانی ہونی چاہیے، اور تمہارا تعجب بھی بلند پایہ ہونا چاہیے!

اے صحابیہ!

جب تمہارے سامنے حق واضح ہو جائے تو اس کے سامنے عاجزی اختیار کرو اور سر تسلیم خم کر دو! حق واضح ہو جانے کے بعد اس کا انکار کرنا تکبر ہے!

اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رتی برابر بھی تکبر ہو!

بلقیس ایک عظیم الشان سلطنت کی ملکہ تھی،

اور جب اس نے حضرت سُلیمان علیہ السلام کے پاس حق اور ہدایت کو دیکھا،

تو بغیر کسی تردد کے اس کی پیروی اختیار کر لی!

ہوسکتا ہے کہ تم کسی واقعے پر سخت مؤقف اختیار کر لو،

اور یہ سمجھو کہ تم بالکل برحق ہو، اور اسی بنیاد پر عمل پیرا رہو،

لیکن جب تم پر یہ واضح ہو جائے کہ تم خطا پر ہو،

اور یہ کہ حق دوسرے فریق کے پاس ہے، تو عاجزی اختیار کرو!

اپنے دل کو ذرہ بھر تکبر سے بھی پاک کر لو،

کیونکہ غلطی پر اصرار کرنا ملعون ابلیس کی صفت ہے،

اس لیے کہ حق ظاہر ہو جانے کے باوجود اس نے سرکشی کی،

نتیجتاً وہ اللہ کی رحمت سے راندہ درگاہ اور مردود ہو گیا!

جبکہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، معذرت کرنا، اور توبہ کرنا تمہارے والد آدم علیہ السلام کی صفات ہیں،

پس جب تم خطا کرو تو فوراً توبہ اور استغفار کی طرف لپکو،

لہٰذا اپنے والد (آدم علیہ السلام) کی طرح بنو، اور ابلیس کی پیروی نہ کرو!

حبٌّ فی بیت النبوة!

(نبوتی گھرانے کی ایک محبت!)

تم بھی ایک صحابیہ ہو!

فطرت کے اعتبار سے نازک دل رکھنے والی ہو، اور عورتوں کے دل ایسے ہی ہوتے ہیں!

اور اسلام نے تمہاری اس رقتِ قلب میں مزید نفاست اور نرمی پیدا کر دی ہے،

تم دلوں کی کہانیاں، عفت و پاکدامنی کی محبت، اور جائز عشق والفت کو پسند کرتی ہو،

اور آج تم ایک لازوال محبت کی کہانی کے ساتھ ہو،

ایک ایسی محبت جس نے کامیابی کے لیے صبر کا طویل راستہ طے کیا!

اس کہانی کی مرکزی کردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کے شوہر ابو العاص بن الربیع ہیں،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی زینب کوئی عام خاتون نہیں تھیں،

وہ عمر کے دسویں سال سے تجاوز کر چکی تھیں جب ہاشمی خاندان کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئی تھیں،

اور مکہ کے گھرانے اس بات میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ انہیں بطورِ عروس حاصل کریں،

اس شخص کے لیے جسے ان کے والد محترم قریش کے معزز اور شاندار نوجوانوں میں سے منتخب کرتے،

اور وہ خوش نصیب شخصیت ابو العاص بن الربیع تھے، جو ان کی خالہ ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے، اور مکہ کے معزز اشراف میں سے تھے!

اور قریش کے نوجوانوں میں سے اس رشتے پر شدید رشک کیا گیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کی منظوری دی،

اور یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزولِ وحی سے پہلے کا ہے،

اور جب زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے، تو قریش نے کھلی جنگ کا اعلان کر دیا،

اور اس کا ہدف ان چیزوں میں سے ایک وہ عاطفتِ پدری بھی تھی جو آپ کے قلبِ مبارک میں تھی،

انہوں نے کہا: ان کی بیٹیاں ان کے پاس واپس لوٹا دو!

چنانچہ ابولھب کی زوجہ (ام کلثوم کی سابقہ شوہر کی طرف سے نسبت والے) کا بیٹا عقبہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور کہنے لگا:

میں نے تمہارے دین کا انکار کر دیا ہے، اب میں نہ تمہاری بیٹی سے محبت کرتا ہوں اور نہ تمہیں چاہتا ہوں!

پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آیا اور آپ کی قمیض کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا،

رہا عتبہ کا بھائی عتیبہ بن ابی لہب، تو اس نے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی) رقیہ کو اس وقت طلاق دے دی جب اس کی ماں نے اس سے کہا:

محمد کی بیٹی کو طلاق دے دو، اور قریش میں سے جس عورت سے کہو گے میں تمہاری شادی اس سے کر دوں گی!

اس وقت ابن الربیع (ابوالعاص) کی زوجہ زینب شام کے تجارتی سفر پر تھیں،

اور زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی تجارت کے ساتھ واپسی کی منتظر تھیں تا کہ انہیں اپنے اسلام لانے کی خبر دے سکیں،

اور جب وہ آئے تو اس نے غصے میں بھرے ہوئے لہجے میں جواب دیا:
میں نہ تو تمہارے والد پر ایمان لانے والا ہوں اور نہ ہی ان کی رسالت پر!
پھر وہ اپنے گھر سے اس طرح نکلا کہ کسی چیز کی پروا نہ کی،
کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے اس بات سے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ یہ نہ کہیں کہ:
اس نے اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیا ہے!
ابن الربیع اپنے دین کے معاملے میں پریشان ضرور تھا،
مگر جہاں تک اس کی دنیا کا تعلق تھا تو اس نے قریش کے سرداروں کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیا:
نہیں! بخدا! میں اپنی شریکِ حیات کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا اور نہ ہی اس کے بدلے میں یہ چاہوں گا کہ...
میرے لیے قریش کی کوئی بھی بہتر عورت ہو!
اور جب کچھ سکون ہوا تو وہ اپنے گھر واپس لوٹا،
جہاں اس کا بیٹا اور بیٹی اس کے سامنے تھے،
اس نے ان دونوں کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور اپنی محبوبہ زینب کے پاس آیا،
اور اس سے کہا: اے زینب! ہمارے درمیان جو کچھ ہے اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا، تم اپنے دین پر قائم رہو اور میں اپنے دین پر ثابت قدم رہتا ہوں!
انہوں نے جواب دیا: اے میرے شوہر! اب کچھ دیر کے لیے میں آپ کے لیے حلال نہیں ہوں، اور آپ اس دین پر ہیں،
اس لیے یا تو آپ مجھے میرے والد کے پاس پہنچا دیں یا پھر آپ خود بھی اسلام لے آئیں!

آج کے بعد زینب تمہارے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتیں جب تک تم اس پر ایمان نہ لے آؤ جس پر میں ایمان لائی ہوں!

اور حقیقت میں ایسا ہی ہوا، چنانچہ ابن الربیع نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی،

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک میں اس وقت اور بھی غم واندوہ بڑھ گیا

جب آپ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا آپ کے پاس آئیں

اور آپ سے درخواست کی کہ...

انہیں اپنے بچوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے،

شاید اللہ تعالیٰ ان کے شوہر کو اسلام کی ہدایت نصیب فرما دے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات سے اتفاق فرمایا،

اور ان سے کہا: اپنے شوہر اور بچوں کے پاس رہو!

اور اس وقت تک مسلمان عورت اور اس کے کافر شوہر کے درمیان جدائی کا حکم نازل نہیں ہوا تھا... جنگ کے طبل بج اٹھے...

اور قریش ایک خوفناک لشکر کی شکل میں مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکل پڑے،

ابن الربیع کا دل درد سے نچڑ رہا تھا جب وہ اپنی بیٹی اور بیٹے کو الوداع کہہ رہا تھا،

اور جس چیز نے اسے سب سے زیادہ غمزدہ کیا وہ اس کی بیوی اور محبوبہ زینب سے جدائی تھی!

اس نے اپنی آنکھیں بند کیں، حسرت سے آہ بھری، پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور قریش کے لشکر کے ہراول دستے کے ساتھ جا ملا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں اپنے گھر کے دروازے کے سامنے اپنی چھوٹی بچی کو گلے سے لگائے کھڑی تھیں،

اور اس مشرک شوہر کو دیکھ رہی تھیں جو ان کے نبی والد کے خلاف جنگ کرنے جا رہا تھا، انہوں نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگایا اور اس سے کہا:

اے میری بیٹی! آج کا دن ہم پر اس طرح طلوع نہیں ہوگا مگر یہ کہ ہم میں سے کوئی ایک یتیم ہو چکی ہوگی!

اتنے میں ان کی پھوپھی عاتکہ ان کے پاس آئیں اور انہیں خوشخبری سنائی،

کہ بدر میں ان کے والد کو فتح مبین حاصل ہو چکی ہے

جس پر انہوں نے اللہ کے حضور شکرانے کا سجدہ کیا!

پھر انہوں نے اپنی پھوپھی سے پوچھا: اور میرے شوہر کا کیا بنا؟

عاتکہ نے غم کے مارے اپنا سر جھکا لیا یہاں تک کہ زینب کا دل پھٹنے کے قریب ہو گیا، اور کہا: تمہارا شوہر قتل تو نہیں ہوا مگر اسے قید کر لیا گیا ہے!

اور ابو العاص کا خاندان مالی اعتبار سے اس بات میں کمی نہیں رکھتا تھا کہ وہ اپنے قیدی بیٹے کا فدیہ دے سکتے،

مگر زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کو اپنے طریقے سے قیدِ اسیری سے چھڑانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ابو العاص کا بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھا اور کہنے لگا:

زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے فدیے کے طور پر یہ مال میری معرفت بھیجا ہے،

پھر اس نے ایک تھیلی نکالی اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیا،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تھیلی کھولی تو اس میں حضرت خدیجہ کا ہار موجود تھا۔

جو انہوں نے زینب رضی اللہ عنہا کو اس کی شادی کے موقع پر تحفے میں دی تھی،

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل دھڑک اٹھا اور لرز گیا،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی بیٹی کا یہ ہار دیکھا تو آپ کو وہ محبت یاد آ گئی جو آپ

کے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے درمیان تھی!

کیونکہ یہ ہار اس بات کی یاددہانی تھا کہ ابن العاص نہ صرف زوج اور حبیب ہیں بلکہ وہ اس خالہ زاد بھائی کی یاد بھی ہیں جو صرف زینب رضی اللہ عنہا کی طرف سے نہیں!

بلکہ خود محبوبہ خدیجہ کی طرف سے بھی ایک محبت کی نشانی تھی!

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آنکھوں سے اس منظر کے جلال اور عظمت کے پیشِ نظر آنسو جاری ہو گئے،

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمانے سے پہلے ہی سکوت اختیار کیا: اگر تم مناسب سمجھو کہ اس کے قیدی کو آزاد کر دو اور اس کا مال اسے واپس لوٹا دو تو ایسا ہی کرو! چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ہار واپس کر دیا،

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا:

زینب سے کہنا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اس ہار کو ضائع نہ کرنا!

پھر آپ نے دوبارہ سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا:

اے ابوالعاص! کیا میں تم سے ایک راز کی بات کہوں؟

پھر آپ ایک طرف ہٹے اور اس سے فرمایا:

اے ابوالعاص! بے شک اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مسلمان عورت اور کافر مرد کے درمیان جدائی کر دوں، لہذا کیا تم میری بیٹی مجھے واپس لوٹا دو گے؟

تو اس نے کہا: جی ہاں!

پھر وہ اس حال میں مکہ کی طرف واپس لوٹا کہ اسے معلوم نہیں تھا،

کہ اتنے وسیع افق میں اس کا چھوٹا سا دل ان دکھوں کو کیسے برداشت کرے گا!

زینب رضی اللہ عنہا نے مکہ کے دروازوں پر باہر نکل کر ابوالعاص کا استقبال کیا،

وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ اس محبت نے ان کے شوہر کے لیے ایک نئی زندگی لکھ دی ہے، قیمت وہی تھی: اے زینب! اپنے والد کے پاس واپس چلی جاؤ!

اور یہ جملہ اس کے گلے میں پھندا بن کر اٹکا جاتا تھا،

مگر وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا!

اور اس نے اپنے بھائی کنانہ بن الربیع سے کہا کہ وہ مکہ کے باہر دشت و بادی کی طرف تک ان کے ساتھ جائے،

چنانچہ زید بن حارثہ اس بات کے منتظر تھے کہ وہ انہیں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔

زینب چھ سال تک مسلسل انکار کرتی رہیں!

اس امید پر کہ ان کا شوہر، ان کا محبوب، ان کے بچوں کا باپ، اور ان کی خالہ کا بیٹا ان کے پاس واپس لوٹ آئے گا،

پھر ایک رات، فجر کی اذان سے ذرا پہلے، اس کے دروازے پر دستک ہوئی،

جب زینب رضی اللہ عنہا نے اسے دیکھا تو بے تابی سے پوچھا: کیا تم مسلمان ہو کر آئے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ میں بھاگ کر آیا ہوں!

زینب رضی اللہ عنہا نے امید کی ایک ہلکی سی کرن کو افق پر چمکتے ہوئے دیکھا اور پوچھا:

تو کیا تم اسلام قبول نہیں کرتے؟

اس نے انکار کر دیا، اور ایک حسرت بھرے اور غمگین لہجے میں کہا:

تم خوفزدہ نہ ہو، خوش آمدید اے خالہ زاد! خوش آمدید علی اور امامہ کے باپ!

اور اس نے زینب رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ وہ شام کی طرف قریش کی تجارتی قافلے کی قیادت کر رہا تھا،

اور جب وہ واپس لوٹا تو مسلمانوں کے ایک سریہ (دستہ) نے اس کا گھیراؤ کر لیا اور ان کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ سب قبضے میں لے لیا،

مگر وہ خود ان کے چنگل سے بھاگ نکلا اور چپکے سے چلتے ہوئے اپنے خیمے میں آ پہنچا۔

اسے اس بات کا ہوش ہی نہیں رہا کہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس لوٹ آئی ہے جب اس نے دیکھا کہ وہ اس کے پاس آ رہا ہے۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز میں مسلمانوں کی امامت فرما رہے تھے،

کہ نماز مکمل کرنے سے پہلے ہی آپ نے ایک بلند آواز سنی جو کہہ رہی تھی:

اے لوگو! میں نے ابو العاص کو پناہ دے دی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً پہچان گئے کہ یہ زینب کی آواز ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازیوں سے فرمایا:

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مجھے اس معاملے میں ذرا بھی علم نہیں تھا، یہاں تک کہ تم نے بھی وہی سنا جو میں نے سنا ہے!

پھر زینب رضی اللہ عنہا نے پکار کر کہا: یا رسول اللہ! بے شک ابو العاص اگرچہ دور کا رشتہ دار ہے، مگر وہ خالہ کا بیٹا ہے،

اور اگر قریب کی بات کی جائے تو وہ بچوں کا باپ ہے، لہٰذا یا رسول اللہ! میں نے اسے پناہ دے دی ہے!

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اس شخص کی ذمے داری کو وہ شخص نبھا رہا ہے جو ہمارا داماد ہے،

اور بیشک اس شخص نے مجھ سے بات کی تو اس نے مجھ سے سچ بولا اور مجھ سے وعدہ کیا تو اسے پورا بھی کیا،

پس اگر تم یہ پسند کرو کہ اس کا مال اسے واپس لوٹا دو اور اسے چھوڑ دو کہ وہ اپنے شہر واپس چلا جائے، تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے!

اور اگر تم انکار کرو تو معاملہ تمہارے اپنے اختیار میں ہے اور حق تمہارے پاس ہے اور میں تم پر کوئی سختی نہیں کروں گا!

لوگوں نے کہا: بلکہ ہم اس کا مال اسے ضرور واپس لوٹائیں گے یا رسول اللہ!

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے زینب! ہم نے اسے پناہ دے دی ہے جسے تم نے پناہ دی ہے!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا:

اے زینب! اس کی مہمان نوازی اچھے طریقے سے کرو کیونکہ یہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے، اور بیشک یہ بچوں کا باپ ہے، لیکن وہ تمہارے قریب نہ آئے کیونکہ وہ اب تمہارے لیے حلال نہیں ہے!

اس نے کہا: جی ہاں، یا رسول اللہ!

زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کی طرف دیکھا اور کہا: یہ سارا عذاب کیوں؟

اے ابو العاص! کیا تم پر ہمارا فراق بھاری نہیں گزرا؟

کیا اب بھی تمہارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم اسلام لے آؤ اور ہمارے پاس ہی رہو؟

اس نے کہا: یہاں تک کہ اللہ ہمارے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرما دے!

تو اس نے کہا: اللہ ہم پر رحم فرمائے!

ابو العاص مکہ واپس لوٹے اور رک کر نفع بخش تجارت کا مال اس کے اصل مالکان میں تقسیم کیا،

جب وہ اس سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا: اے قریش کے لوگو!

کیا تم میں سے کسی کا کوئی مال میرے پاس باقی رہ گیا ہے جو میں نے نہ دیا ہو؟

انہوں نے کہا: نہیں، اللہ آپ کو بہترین بدلہ دے، ہم نے آپ کو ہمیشہ وفا شعار اور سخی پایا ہے!

پھر انہوں نے ان کی طرف دیکھا اور اپنی آواز کو بلند کرتے ہوئے کہا:

پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں! اور وہ فجر کے وقت مدینہ منورہ واپس لوٹے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے کل مجھے پناہ دی تھی،

اور آج میں حاضر ہوا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں!

پھر اس نے رقت آمیز لہجے میں مزید کہا: یارسول اللہ! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں زینب سے رجوع کر لوں؟

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: میرے ساتھ آؤ۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زینب رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، اور فرمایا:

اے زینب! تمہارا خالہ زاد بھائی آج میرے پاس آیا ہے اور مجھ سے اس بات کی اجازت مانگ رہا ہے کہ وہ تم سے رجوع کر لے، تو کیا تم اسے قبول کرتی ہو؟

تو ان کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور وہ مسکرا دیں۔

ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک سال تک زندگی بسر کی،

اس کے بعد کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ان کا نکاح ان سے کر دیا تھا،

پھر زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو ابو العاص نے ان پر سخت گریہ وزاری کی،
یہاں تک کہ لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے آنسو پونچھ رہے ہیں اور انہیں تسلی دے رہے ہیں،
اور وہ آپ سے عرض کر رہے تھے: واللہ! یا رسول اللہ! اب مجھ میں زینب کے بغیر دنیا برداشت کرنے کی سکت نہیں رہی!
چنانچہ وہ ان کی وفات کے ٹھیک ایک سال بعد اس جہاں سے رخصت ہو گئے!

اے صحابیہ!

محبت ایک مقدر ہے، کیا ہی شاندار ہے وہ محبت جس پر ڈٹے رہا جائے!
حالانکہ ان میں سے ہر ایک کے پاس اتنے اسباب موجود تھے کہ وہ ہاتھ چھڑا کر الگ ہو سکتا تھا، مگر وہ دونوں آخری سانس تک ایک دوسرے سے جڑے رہے!
یہاں تک کہ جب ان کے جسم ساتھ چھوڑ گئے تب بھی ان کے دل ایک دوسرے سے پیوست رہے!
اس نے اپنے دل کی تو پروانہ کی مگر اپنے دین کی حفاظت کی،
اور یہ جان لیا کہ دین اس کی ہر قیمتی چیز سے بڑھ کر ہے، چنانچہ اس نے محبت اور ایمان دونوں کو جمع کر لیا!
جبکہ وہ دوسرے دین پر تھا مگر اس کا پورا دل صرف اسی کے لیے دھڑکتا تھا،
یہاں تک کہ جب اس کا شوہر اس کے والد کے خلاف جنگ کرنے گیا،
تو اس کا دل دو حصوں میں بٹ گیا تھا، وہ اپنے والد کو کھونے سے بھی ڈرتی تھی اور شوہر کو کھونے سے بھی خوفزدہ تھی!
اپنے دل کو تھامے رکھو لیکن خبردار! اپنے دین پر سودے بازی ہرگز نہ کرنا!

ہر وہ محبت جو تمہیں اللہ سے دور کر دے، وہ تمہارے لائق نہیں،

اور ہر وہ محبوب جو تمہیں اللہ کے قریب نہ کرے، اسے چھوڑ دو!

اس شخص کو پہچانو جو تمہاری طرف حلال طریقے سے بڑھتا ہے اور اسے بتا دو کہ وہ دروازے پر دستک دے،

نہ یہ کہ وہ کھڑکیوں کے راستے تمہارے پاس آئے!

اور اس بات پر پورا یقین رکھو کہ جب تم نے اپنے دل سے پہلے اپنے دین کو رکھا،

تو اللہ تمہارے دل کو جھکائے ہوئے تمہارے قدموں میں لا ڈالے گا!

اے صحابیہ!

محبت کوئی ایسی برائی نہیں جسے چھپایا جائے بلکہ یہ تو ایک ایسا فضیلت والا جذبہ ہے جس کا برملا اظہار کیا جاتا ہے!

اور انسان پر کوئی حرج نہیں اگر اس کا عشق حلال طریقے پر ہو،

اور وہ آخری سانس تک اپنے اس عشق کا دفاع کرے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کے اپنے شوہر کے لیے اس جذبے اور محبت پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، باوجود اس کے کہ یہ شوہر کافر تھا!

اور اس وقت تک مسلمان عورت اور کافر کے درمیان جدائی کا حکم بھی فرض نہیں ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات پر بھی کوئی عیب نہیں لگایا کہ وہ اس کے ساتھ رہے جب تک کہ اس کا رہنا جائز تھا،

اور نہ ہی اس بات پر کوئی نکیر فرمائی کہ اس نے اپنی والدہ کا ہار دے کر اس کا فدیہ ادا کیا، اور نہ ہی اس بات پر کوئی اعتراض کیا کہ اس نے اپنے شوہر کو پناہ دی،

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ محبت وہی ہوتی ہے جو ثابت قدم رہے!

حالانکہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس یہ موقع تھا کہ وہ جدائی کے پہلے ہی روز کوئی دوسرا شوہر اختیار کرلیتیں،

کیونکہ ان کے کتنے ہی پیغاماتِ نکاح آئے تھے مگر انہوں نے انکار کردیا!

چھ سال کا طویل عرصہ بھول جانے اور ایک نئی زندگی کی ابتدا کرنے کے لیے کافی تھا، مگر محبت اس طریقے سے کام نہیں کرتی!

بے شک وہ دل میں داخل ہوتا ہے تو اس پر قابض ہوجاتا ہے، اور اعضاء پر چھا کر ان کے فیصلوں کو اپنے تابع کرلیتا ہے،

اور ابوالعاص جسمانی اعتبار سے زینب کے جسم وروح کے شوہر تھے،

یہی وجہ ہے کہ جب جسم الگ ہوگئے تب بھی روح جڑی رہی!

اے صحابیہ!

پوری جاہلیت سراسر برائی پر مبنی نہیں تھی،

بلکہ اس میں کچھ اچھے اخلاق اور شاندار قدریں بھی پائی جاتی تھیں!

وہ شخص کافر ضرور تھا مگر جھوٹ نہیں بولتا تھا،

بتوں کی پرستش کرتا تھا لیکن اپنے وعدے کا پکا تھا!

شرک پر گامزن تھا لیکن اپنی جان اور خون کی بازی لگا کر بھی اپنی عزت کی حفاظت کرتا تھا! ابوالعاص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے پاس لوٹا دیں گے،

چنانچہ وہ اپنے وعدے پر قائم رہے اور اپنی بات کا مان رکھا،

لہذا اس بات پر تعجب نہ کرو اگر تمہیں غیر متدین (غیر مذہبی) لوگوں میں بھی کچھ اخلاقیات مل جائیں،

اور ہاں! اس وقت ضرور تعجب کرو جب تمہیں کسی دیندار شخص میں اخلاق نہ ملیں!

کیونکہ یہ نہ تو صحیح معنوں میں دین کی سمجھ ہے اور نہ ہی حقیقی دینداری!

بلکہ پورا کا پورا دین ہی اخلاق کا نام ہے!

اے صحابیہ!

مردوں کے دلوں کو حقیر نہ سمجھو،

کیونکہ محبت جب ان کے دلوں پر غلبہ پا لیتی ہے تو انہیں قید کر لیتی ہے،

صرف زینب رضی اللہ عنہا ہی وہ اکیلی ہستی نہیں تھیں جنہوں نے اپنی محبت کو تھامے رکھا،

بلکہ ابو العاص بن الربیع نے بھی اسی طرح اپنی محبت کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا!

اور نہ ہی صرف زینب رضی اللہ عنہا وہ اکیلی تھیں جنہوں نے جدائی کے بعد شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا،

ابو العاص بن الربیع نے بھی اس بات سے انکار کر دیا تھا،

اگرچہ قریش نے ان کے سامنے یہ پیشکش کی تھی کہ وہ اپنے معززین میں سے کسی عورت کی شادی ان سے کر دیں،

مگر انہوں نے کہا: بخدا! میں اسے قریش کی کسی دوسری عورت کے بدلے میں ہرگز نہیں بدلوں گا!

جدائی کے چھ سال بھی انہیں اس بات پر آمادہ نہ کر سکے کہ وہ کسی اور کی تلاش کرتے، وہ اپنی تجارت میں دل و جان سے مصروف رہے،

سفر، نقل مکانی اور محنت و مشقت نے انہیں خاموش تو کر رکھا تھا،

مگر جب وہ بالآخر لوٹے تو اپنے پورے دل کے ساتھ لوٹے! اگرچہ جسمانی طور پر انہوں نے ان سے جدائی اختیار کی تھی، مگر ان کا دل انہی کا ہو کر رہا!

عورت کی ذکاوت!

اے وہ خاتون کہ تم بھی کسی صحابیہ سے کم نہیں ہو!

تمہیں ہر دور کی خواتین کے حالات اچھے لگتے ہیں،

اور ان کی ذہین ونابغہ روزگار خواتین کے قصے تمہیں سحر میں مبتلا کر دیتے ہیں،

تم ان کا تذکرہ سننے میں لطف اور فائدے کی حرص رکھتی ہو،

کیونکہ تم جانتی ہو کہ اس زمین پر زندگی کے قصے دہرائے جاتے ہیں،

بس ان کے کرداروں کے نام بدل جاتے ہیں اور کردار ایک دوسرے سے بدل لیے جاتے ہیں!

پس تاریخ میں آج جو کچھ ہوتا ہے وہ اس سے پہلے بھی ہو چکا ہوتا ہے!

اور کوئی ایسا موقف جسے ہم نیا سمجھتے ہیں، وہ اپنے اندر کوئی نہ کوئی پرانی مشابہت ضرور رکھتا ہے!

اور جو شخص پرانے تاریخی واقعات سے آگاہ ہوتا ہے، اسے ایسے حالات پیش آنے پر ان سے نبرد آزما ہونے کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے،

اور عرب کا پرانا مقولہ ہے: عقل مند وہ ہے جو دوسروں کے انجام سے نصیحت حاصل کرے! اور اب تم ایک دلکش اور شیریں قصے سے دو چار ہونے والی ہو،

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی موطا میں القاسم بن محمد بن محمد سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

میری بیوی کا انتقال ہو گیا، تو محمد بن کعب القُرظی میرے پاس تعزیت کے لیے آئے،

انہوں نے کہا: بنی اسرائیل میں ایک فقیہ، عالم، عبادت گزار اور محنت کش شخص ہوا کرتا تھا،

اس کی ایک بیوی تھی، وہ اس پر بہت فریفتہ تھا اور اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا،

پھر وہ فوت ہوگئی! تو وہ اس کے فراق میں شدید غم میں مبتلا ہوگیا، اور اس پر اتنا رنج کیا، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں تنہا ہوگیا، اپنے اوپر دروازہ بند کرلیا،

اور لوگوں سے پردہ کرلیا،

چنانچہ کسی کو بھی اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں تھی!

اتنے میں ایک عورت نے اس کے اچانک اس حال کے بارے میں سنا،

اس نے کہا: مجھے ان سے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے،

اس سلسلے میں روبرو بات چیت کے سوا کوئی چیز میرے لیے کافی نہیں ہے،

چنانچہ وہ گئی اور ان کے دروازے پر بیٹھ گئی،

اور کہنے لگی: میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے!

تو ان سے کسی نے کہا: یہاں ایک عورت آپ سے مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہے،

اور وہ کہہ رہی ہے کہ مجھے بالمشافہ بات چیت ہی کرنی ہے،

جبکہ لوگ جاچکے ہیں مگر وہ دروازہ نہیں چھوڑ رہی!

انہوں نے کہا: اسے اندر آنے کی اجازت دے دو!

چنانچہ وہ ان کے پاس داخل ہوئی، اور کہنے لگی: میں آپ سے ایک معاملے میں مسئلہ دریافت کرنے آئی ہوں!

انہوں نے پوچھا: اور وہ کیا ہے؟

اس نے کہا: میں نے اپنی ایک پڑوسن سے کچھ زیور عاریتاً (مانگ کر) لیا تھا،

میں اسے پہنتی رہی اور ایک طویل عرصے تک اسے اپنے پاس عاریت پر رکھا، پھر انہوں نے مجھ سے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا،

تو کیا میں اسے واپس لوٹا دوں؟ انہوں نے کہا: ہاں، بخدا!

اس نے کہا: لیکن وہ تو میرے پاس ایک طویل عرصے سے رکھا ہوا ہے،

انہوں نے کہا: پھر وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہیں کہ تم اسے واپس لوٹا دو جب کہ تم نے ایک طویل عرصے تک اسے استعمال کیا ہے!

اس نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، کیا آپ کو اس چیز پر افسوس نہیں ہوتا جو اللہ نے آپ کو عاریتاً دی تھی پھر آپ سے واپس لے لی،

جب کہ وہ اس بات کے زیادہ حق دار تھے؟

چنانچہ وہ اپنے اس فریب سے بیدار ہو گئے اور اللہ نے ان کی اس بات کے ذریعے انہیں نفع پہنچایا!

اے صحابیہ!

عرب کا پرانا مقولہ ہے: ہر گھوڑا ابھی کبھی نہ کبھی ٹھوکر کھا جاتا ہے!

اور ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جس سے چُوک یا غلطی نہ ہوتی ہو!

بعض اوقات انسان سے وہ کچھ ہو جاتا ہے جو عام طور پر اس سے سرزد نہیں ہوتا،

چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ حلیم و بردبار انسان بھی کبھی اپنا آپا کھو بیٹھتا ہے،

سخی اور کریم انسان بھی کسی موقع پر بخل کر بیٹھتا ہے،

بہادر اور دلیر انسان بھی کسی حادثے میں بزدل ثابت ہو سکتا ہے،

وہ خاتون جو ہمیشہ لوگوں کے مسائل حل کرتی رہتی ہے، وہ خود کسی مشکل میں غرق ہو جاتی ہے،

اور وہ عورت جس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا، کبھی اس کا دروازہ بھی اس بار بند ہو جاتا ہے! آخر ہم سب انسان ہیں، پہاڑ، وادیاں، مختلف موسم اور طرح طرح کے حالات

رکھتے ہیں! جو شخص ہمیشہ چوٹی پر ہوتا ہے، کبھی تم اسے وادی میں بھی پا سکتی ہو،

اور جس مقام کو تم ہمیشہ دھوپ والا جانتی تھی، کبھی وہ گھٹا ٹوپ اور تاریک بھی نظر آ سکتا ہے، زندگی سب کے لیے سخت ہے مگر ہم سب پھر بھی کوشش کرتے ہیں،

اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کسی کے روشن ماضی کو اس کے ایک لمحے کی لغزش کی وجہ سے مٹا نہ دیں جس میں وہ ویسا نہیں رہا جیسا ہم نے اسے مان رکھا تھا!

فقہ کے اصولوں میں ہے:

جب پانی زیادہ ہو جائے تو وہ ناپاکیزگی کو برداشت نہیں کرتا،

سمندر پاک رہتا ہے خواہ اس میں کچھ نجس چیز ہی کیوں نہ ڈال دی جائے!

اور بہتا ہوا دریا وضو کے لیے پاکیزہ رہتا ہے خواہ اس میں کچھ گلا سڑا پانی ہی کیوں نہ آ گرے! اور انسان بھی ایسے ہی ہیں!

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ فرشتے بن جائیں، وہ نہ تو لوگوں کو جانتا ہے،

اور نہ ہی اس انسانی نفس کو کبھی سمجھ پایا ہے!

جبکہ شرافت والا انسان عذر قبول کرتا ہے، لغزش کو معاف کرتا ہے، اور چھوٹی موٹی خطاؤں سے صرفِ نظر کرتا ہے،

لہذا تم بھی ایک شریف اور باشعور خاتون بن جاؤ اے صحابیہ!

اے صحابیہ!

اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ تم ایک پختہ عقل اور درست سوچ وفہم کی مالکن ہو!

اور ان مرد پرستوں کی بات میں نہ آؤ جو یہ سمجھتے ہیں کہ عورتیں تم پر اثر انداز ہوتی ہیں!

عظیم اور کٹھن حالات اور بحرانوں کے موقع پر عورت ایک پورا لشکر بن جاتی ہے،

اور اس کی رائے ہی واحد اور بہترین حل بن جاتی ہے،

اور اس کی ہدایات ہی وہ منتظرہ نجات بن جاتی ہیں!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں،

جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنے اس خواب کی خبر دی،

تو وہ اس پر شدید فرحت وسرور سے جھوم اٹھے، کیونکہ انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں، اور اپنے قبلہ اور وطن کی طرف جانے کا شدید شوق ان کے دلوں میں کسی کسک کی طرح بسا ہوا تھا! چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار ہزار صحابہ اور اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے...

اور جب وہ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مسلمانوں اور قریش کے وفود کے درمیان مشہور مذاکرات کا آغاز ہوا،

یہاں تک کہ آخر کار سہیل بن عمرو آ گیا، اور صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پا گیا،

اور اس کی شرائط میں سے یہ تھا کہ فریقین کے درمیان دس سال تک امن وامان (معاہدہ صلح) رہے گا،

اور یہ کہ مسلمان اس سال مکہ سے واپس چلے جائیں گے اور آئندہ سال عمرے کے لیے آئیں گے،

اور یہ کہ جو شخص بھی قریش کی طرف سے مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آئے گا تو مسلمان اسے واپس لوٹا دیں گے،

اور جو شخص مسلمانوں کی طرف سے مرتد ہو کر قریش کے پاس جائے گا تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے،

اور عرب قبائل کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ جس کی چاہیں، مسلمانوں کی حلف میں یا قریش

کے حلف میں داخل ہوجائیں!

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا خیال تھا کہ یہ صلح صریحاً ایک بہت بڑا ظلم اور ناانصافی ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کی خاطر غیرت وحمیت نے مومنوں کے دلوں کو گھیر رکھا تھا!

یہاں تک کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں!

عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: تو پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں قبول کریں؟! لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وحی سے تائید یافتہ اور اللہ پر کامل بھروسہ رکھنے والے تھے، وہ یہ جانتے تھے کہ حدیبیہ صلح مکہ کے فتح کی طرف پہلا قدم ہے،

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! قربانی کرو اور سر منڈوالو!

یعنی کہ اللہ کی طرف سے ان کی عمرے سے پہلے ہی یہ حکم تھا!

لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی محبتِ الٰہی اور حمیتِ نفس کی وجہ سے اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا یہ قول دوبارہ دہرایا، مگر پھر بھی ان میں سے کوئی اٹھ کر کھڑا نہ ہوا!

آپ نے تیسری بار پھر وہی بات کہی مگر تب بھی کوئی نہیں اٹھا!

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا:

اے ام سلمہ! لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟!

تو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جو کچھ ان پر گزرا ہے اس نے انہیں غمگین کر

دیا ہے، لہذا آپ ان میں سے کسی سے بھی بات نہ کریں!

بلکہ آپ خود اپنے قربانی کے جانور کی طرف جائیں اور اسے ذبح کریں، اور اپنا سر منڈوالیں، کیونکہ جب آپ ایسا کریں گے تو وہ بھی آپ کی طرح عمل کریں گے!

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور کسی سے ایک لفظ بھی بات نہیں کی،

یہاں تک کہ آپ نے اپنی قربانی ذبح کی اور اپنا سر مبارک منڈوالیا،

جب لوگوں نے آپ کو ایسا کرتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے، قربانیاں دیں اور سر منڈوالیے!

اس پورے واقعے کا خلاصہ و نچوڑ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ وحی سے مؤید، توفیق الٰہی اور عصمت سے محفوظ تھے، وہ ایک ایسے سیاسی و دینی پیچیدہ معاملے میں جو پوری امت سے متعلق تھا، اپنی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ فرمارہے ہیں!

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نصیحت سنی تو اس پر عمل بھی فرمایا!

مرد کے لیے اپنی مشکلات اور معاملات میں اپنی زوجہ سے مشورہ کرنا ہرگز مردانگی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس...

یہ سراسر مردانگی کا حصہ ہے کیونکہ یہ سید الرکب (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا عمل ہے، اور ساتھ ہی یہ نبوی طریقے کی پیروی بھی ہے!

اور اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اس مشکل معاملے کا حل ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کے پاس تھا!

اور ان کی راجح عقل نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے سے بچالیا،

لہذا تم کسی کو یہ موقع نہ دو کہ وہ تمہیں یہ باور کروائے کہ تم زندگی میں محض ایک حاشیے کی حیثیت رکھتی ہو،

اور یہ کہ تمہاری رائے ہو یا نہ ہو سب برابر ہے!

بلکہ ہمیشہ یہ بات یاد رکھو کہ اچھا اندازِ بیان ہمیشہ مطلوب ہوتا ہے،

اور حسنِ ادب حق بات کہنے کے منافی نہیں ہے بلکہ اسے مکمل کرتا ہے،

اور لوگ کسی سخت گو اور درشت مزاج انسان کی بات سے فرار اختیار کرتے ہیں،

لہذا تم ایک نرم خود درخت کی طرح بنو جس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوں،

اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ نرم مزاج انسان اس پھول کی طرح ہوتا ہے جو چٹان کے اندر بھی اگتا ہے اور ہمیشہ اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے!

اے صحابیہ!

بلا شبہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تربیت کے اہم ترین ذرائع میں سے ایک ذریعہ قصہ گوئی (کہانیاں سنانا) بھی ہے!

دلوں پر قصوں کا جو اثر ہوتا ہے وہ انتہائی محبوب اور دلنشین ہوتا ہے کیونکہ یہ تفریح اور فائدے کو یکجا کر دیتا ہے،

لہذا تم ہمیشہ اس بات کی حرص رکھو کہ اپنے بچوں کو نافع اور مفید کہانیاں سنایا کرو،

اگرچہ قرآن پاک کے قصے اس بات کے لیے کافی ہیں کہ وہ دوسروں سے بے نیاز کر دیں،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطہرہ سنت کے قصے بھی اتنے ہیں کہ جو پوری طرح کفایت کرتے ہیں!

اور ورثے اور حکمت کے قصے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں بے شمار فوائد اور وعظ و نصائح پوشیدہ ہیں،

اور حکمت تو مومن کی گمشدہ چیز ہے، وہ اسے جہاں بھی پائے وہی اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے!

اور بسا اوقات ایک ہی قصہ بہت لمبی تشریح سے بے نیاز کر دیتا ہے!

کیونکہ یہ اس براہِ راست وعظ سے دور رکھتا ہے جسے لوگ ناپسند کرتے ہیں،

اور جب تم یہ جان لو کہ قرآن کریم کا ایک تہائی حصہ قصوں پر مشتمل ہے،

تو تمہیں میری کہی ہوئی بات کی سچائی بخوبی واضح ہو جاتی ہے!

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی نے جب ہمیں عفّت و پاکدامنی سکھانا چاہا،

تو ہمارے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا زلیخا کے ساتھ قصہ بیان کیا!

اور جب وہ ہمیں تواضع وانکساری سکھانا چاہا،

تو ہمارے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس حال کو بیان کیا جب وہ تختِ سلطنت پر براجمان تھے!

اور جب ہمیں درگزر اور عفو و درگزر سکھانا چاہا، تو ہم سے حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے بھائیوں کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا واقعہ بیان کیا!

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اپنے آپ میں ایک مکمل مکتبِ فکر اور درس گاہ ہے!

اور جب عظیم اسلام ہمیں استقامت اور ثابت قدمی کے بارے میں بتانا چاہا،

تو اس نے ہمیں فرعون کے مقابلے میں جادوگروں کا قصہ سنایا!

اور ہمیں اصحابِ اُخدود کا قصہ سنایا!

اور ہمیں فرعون کی بیٹی کی ماشطہ (کنگھی کرنے والی) کا قصہ سنایا!

اور جب وہ ہمیں ناشکری اور کفرانِ نعمت کے بارے میں بتانا چاہا،

تو سورہ کہف میں دو باغوں والے (صاحبِ الجنتین) کا قصہ بیان کیا!

اور جب ہمیں اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا سکھانا چاہا کیونکہ اس کی ہر تقدیر میں خیر ہی خیر ہوتی ہے، تو اس نے ہم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ قصہ بیان کیا!

چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اس میں اس بات میں بھلائی تھی کہ کشتی میں سوراخ کر دیا جائے، اور دین کی حفاظت کے لیے لڑکے کو قتل کرنا ناگزیر تھا،

اور صالح مرد کی اس کی اولاد کے حق میں وفاداری کا تقاضا یہ تھا کہ دیوار کو سیدھا کیا جائے! اور جب ہمیں یہود کی چالاکیوں سے ہوشیار کرنا چاہا،

تو اس نے ہمیں گائے کا قصہ (قصة البقرة) سنایا!

اور جب ہمیں یہ سکھانا چاہا کہ توحید ہی نجات کا ذریعہ ہے،

تو ہمیں حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سنایا،

اور جب وہ ہمیں بخل کا انجام بتانا چاہا، تو ہمیں اصحابِ جنّت کا حال سنایا جنھوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ صبح ہوتے ہی اس کے پھل توڑ لیں گے،

اور جب ہمیں مال پر اترانے (غرور کرنے) کا انجام سکھانا چاہا،

تو ہمارے سامنے قارون کا قصہ بیان کیا!

اور جب ہمیں مردوں کو زندہ کرنے پر اللہ کی قدرت کے بارے میں بتانا چاہا،

تو ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پرندوں کا قصہ سنایا!

اور عزیر علیہ السلام کا ان کے گدھے کے ساتھ قصہ بیان کیا!

اور جب وہ ہمیں یہ سکھانا چاہا کہ اللہ مومنین کی مدد سے کبھی دستبردار نہیں ہوتا، چاہے حالات کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں!

تو ہمیں آگ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنایا،

اور سمندر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا،

اور کشتی کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنایا،

اور جب وہ ہمیں حسد کے انجام سے ڈرانا چاہا،

توہمیں قابیل اور ہابیل کا قصہ سنایا!

اور جب وہ ہمیں سرکشوں کے انجام سے خبردار کرنا چاہا،

تو ہمارے سامنے فرعون اور نمرود کا انجام بیان کیا!

اور جب وہ ہمیں والدین کی نافرمانی (عقوق) کے بارے میں بتانا چاہا،

توہمیں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا قصہ سنایا!

اور جب وہ اس بات کی طرف ہماری توجہ مبذول کرانا چاہا کہ گھروں کا ماحول ہمیشہ ایک جیسا موافق نہیں ہوتا،

توہمیں فرعون کی بیوی آسیہ کا قصہ سنایا!

اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا تذکرہ کیا،

بے شک یہ عظیم قرآن حیات کا ایک مکمل منہاج (طریقہ کار) ہے،

لہذا اس بات کی پوری حرص رکھو کہ اپنے بچوں کو اس سے سیراب کرو!

ازواجی گفتگو!

اے وہ خاتون کہ تم بھی کسی صحابیہ سے کم نہیں ہو!

تم یہ بخوبی جانتی ہو کہ انسانوں کے گھر ہمیشہ ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں، اور یہ کہ تمام زمانوں اور دوروں کے انسان ایک جیسے ہوتے ہیں،

اور یہ کہ ایمان فطری جبلتوں اور طبعی تقاضوں کو ختم نہیں کرتا بل کہ ان میں نفاست پیدا کرتا ہے،

اور نہ ہی یہ جبلتوں کو مٹاتا ہے بلکہ ان کی تربیت کرتا اور انہیں مہذب بناتا ہے!

یہی وجہ ہے کہ تم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں میں جھانکنا پسند کرتی ہو تا کہ وہاں سے وہ کچھ سیکھ سکو،

جسے تم اپنے گھر میں نافع بنا سکو!

اور تمہیں میاں بیوی کی باہمی محبت اور مکالمے کی وہ باتیں بہت بھاتی ہیں جو تم تک پہنچتی ہیں،

کیونکہ وہ ان برگزیدہ اور صف اول کے لوگوں کی زندگی میں جھانکنے کا ایک نادر دریچہ ہوتی ہیں،

اور آج تم ایمان کے گھروں میں سے ایک گھر میں داخل ہو رہی ہو،

اور ایک ایسا مکالمہ سن رہی ہو جو شاید اس کرہ ارض کے ہر گھر میں پایا جاتا ہے!

ایک دن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر (ابو سلمہ رضی اللہ عنہ) سے کہا:

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ جنتیوں میں سے ہو،

پھر وہ اس کے بعد نکاح نہ کرے!

تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جنت میں اکٹھا کر دیتا ہے،

لہذا آؤ ہم دونوں اس بات کا عہد کریں کہ نہ تم میرے بعد نکاح کرنا اور نہ ہی میں تمہارے بعد کسی اور سے نکاح کروں گی!

تو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا تم میری بات مانو گی؟

انہوں نے کہا: جی ہاں!

انہوں نے کہا: جب میں فوت ہو جاؤں تو تم نکاح کر لینا!

(اور پھر انہوں نے یہ دعا دی:) اے اللہ! میرے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسا شوہر نصیب کرنا جو مجھ سے بہتر ہو، جو نہ اسے رنجیدہ کرے اور نہ اسے کوئی تکلیف دے!

پھر جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے دل میں سوچا:

بھلا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟!

اور جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا،

انہوں نے آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا:

یا رسول اللہ! آپ کا آنا مجھے بہت عزیز ہے، مگر میں ایک تو بہت غیرت مند عورت ہوں، دوسرے یہ کہ میرے پاس چھوٹے چھوٹے بچے ہیں،

اور میرا کوئی ولی بھی اس وقت موجود نہیں ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف کہلا بھیجا: جہاں تک تمہاری اس بات کا تعلق ہے کہ تم بہت غیرت مند ہو، تو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہاری یہ غیرت ختم کر دے،

اور جہاں تک تمہارے بچوں کا تعلق ہے، تو اللہ ان کے امور کی خود کفالت فرمائے گا، اور جہاں تک ولی کا تعلق ہے، تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو مجھ سے راضی نہ ہو!

اور یوں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نہ صرف یہ کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص سے نکاح کیا،

بلکہ آپ نے تو تمام انسانوں میں سے سب سے بہتر ہستی کے ساتھ نکاح فرما لیا!

اے صحابیہ!

زندہ رہنے والا انسان فوت ہونے والے کی نسبت زیادہ حق رکھتا ہے کہ وہ زندگی گزارے! اور عورت کا اپنے شوہر کی وفات کے بعد دوسرا نکاح کرنا، یا مرد کا اپنی بیوی کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح کرنا،

ایک ایسا ذاتی معاملہ ہے جسے ہر انسان اپنی ضرورت اور حالات کے مطابق خود طے کرتا ہے،

پس نہ تو وہ عورت بے وفا کہلاتی ہے جو اپنے شوہر کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح کر لے، اور نہ ہی وہ مرد بے مروت کہلاتا ہے جو بیوی کے انتقال کے بعد محض عیش وعشرت یا عورت کی تلاش میں نکاح کر لے!

یہ تو زندگی کا ایک فطری قانون (سنت) ہے!

پہلے کے لوگ بھی اسی طرح کرتے رہے ہیں، اور ہمارے بعد آنے والے بھی یونہی کرتے رہیں گے،

اور حلال چیز میں کوئی عیب یا شرم کی بات نہیں ہے،

شریعت رسم ورواج سے مقدم ہوتی ہے!

بخدا! شریعت کسی ایسی بات کو مشروع نہیں کرتی جو شرم کا باعث ہو،

البتہ لوگ خود ہی لوگوں پر تنگی پیدا کرتے ہیں!

اے صحابیہ!

جو عورت اپنے شوہر کی یاد کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اور اپنی اولاد کی پرورش کرنا چاہتی ہے تو یہ اسی کا معاملہ ہے!

اور جو عورت نکاح کرنا چاہتی ہے تو یہ بھی اسی کا معاملہ ہے!

اور نہ تو اس کے اہل خانہ میں سے کسی کو اور نہ ہی شوہر کے اہل خانہ میں سے کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے اس بات سے منع کریں،

اس بہانے سے کہ یہ فوت شدہ شوہر کے ساتھ بے وفائی ہے!

ہم گوشت پوست کے انسان ہیں،

اور ہم میں سے ہر انسان کی جسمانی اور روحانی ضروریات ہوتی ہیں،

جن کی تسکین کے لیے ایک متوازن زندگی کا ہونا لازمی ہے،

لہٰذا لوگوں کی باتوں سے گھبرا کر اس چیز کو حرام نہ کرو جسے اللہ نے حلال کیا ہے!

اور جو مرد اپنی بیوی کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ عین حلال ہے، اور جو نکاح نہ کرنا چاہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی معاملہ اور فیصلہ ہے۔

جس کسی نے یہ کہا کہ شوہر کی وفات کے بعد وفا اور دوسرا نکاح دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں (آپس میں ٹکراتے ہیں)، تو اس نے غلط کہا!

جو کچھ دل میں ہوتا ہے وہ دل ہی میں رہتا ہے!

اور کوئی بھی انسان اپنے اس پیارے کو نہیں بھولتا جسے اس نے چاہا ہو، خواہ وہ اس کے بعد ہزار نکاح ہی کیوں نہ کر لے!

وفا کا تعلق تو درحقیقت زندگی کی حالت کے ساتھ ہوتا ہے،

رہا معاملہ موت کے بعد کا، تو نکاح کرنا ہرگز خیانت نہیں ہے!

اور نکاح نہ کرنا بھی وفا نہیں ہے، بلکہ یہ تو صرف یادوں کے سہارے زندگی گزارنا ہے! پھر انسان کیا جانے کہ اللہ نے اس کے لیے کیا چھپا رکھا ہے،

ہوسکتا ہے کہ دوسرے نکاح میں ہی اس کے لیے تمام تر بھلائی پوشیدہ ہو،

اور ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسا انسان آ جائے جو دکھیاڑے کو اس کا غم بھلا دے!

اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعے دوسرے لوگوں کے لیے عوض (بدل) اور تسلی کا سامان پیدا فرما دیتا ہے!

اے صحابیہ!

میں اس محب (عاشق) پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرتا جو اپنے محبوب کی وفات کے بعد دوسرا نکاح نہ کرنے کا تہیہ کر لے،

اور اگر کوئی اسے وفا شمار کرتا ہے تو یہ اسی کا ذوق، اس کی قناعت اور اس کا فیصلہ ہے!

اور میں ایسے تمام نظریات اور فیصلوں کا احترام کرتا ہوں جب تک وہ شریعتِ الٰہی سے ٹکراتے نہ ہوں،

مگر میں اس نظریے کے سخت خلاف ہوں کہ ہم میت کو دفن کرنے کے ساتھ ساتھ زندہ انسان کو بھی دفن کر دیں!

اور محبوب کی وفات کے بعد نکاح کرنے کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے

کہ نئے شریکِ حیات کے سامنے اس پرانے محبوب کا ذکر نہ کیا جائے!

کیونکہ اس سے زندہ انسان کو اذیت پہنچتی ہے اور میت کو اس سے کوئی نفع نہیں ملتا،

یہی وجہ ہے کہ عرب لوگ "الحنّانہ" سے نکاح کرنے کو ناپسند کرتے تھے،

اور حنّانہ اس بیوہ یا مطلقہ عورت کو کہا جاتا ہے جو اپنے پہلے شوہر کا بہت زیادہ ذکر کرتی ہو، اور اس سلسلے میں عربوں کی مشہور مثالوں میں سے ایک لطیف مثال ان کا یہ قول ہے:

"نئی دلہن کے بعد کوئی خوشبو نہیں ہوتی"

اور سب سے پہلے یہ جملہ بنو عذرہ کی ایک خاتون نے کہا تھا،

جس کا نام اسماء بنت عبداللہ تھا،

وہ اپنے چچا زاد بھائی کے نکاح میں تھی جسے "عروس" کہا جاتا تھا، پھر وہ فوت ہو گیا،

تو اس نے اپنے قبیلے کے غیر فرد سے نکاح کر لیا جس کا نام نوفل تھا،

اور وہ بہت بدخو، بدبودار منہ والا، بخیل اور بدصورت انسان تھا!

جب وہ اسے لے کر اپنے قبیلے جانے کا ارادہ کرنے لگا،

تو اس نے کہا: کیا آپ مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے چچازاد بھائی کا نوحہ کرلوں اور اس کی قبر پر رولوں؟

اس نے کہا: میں نے اجازت دی!

تو اس نے روتے ہوئے کہا: اے عروسِ اعداس! میں تجھ پر روتی ہوں!

تو اپنے گھر والوں میں لومڑی کی طرح (چالاک)، اور بہادری میں شیر کی طرح تھا، اور ایسی بہت سی خوبیوں کا مالک تھا جنہیں لوگ نہیں جانتے!

نوفل نے پوچھا: وہ کون سی چیزیں ہیں؟

اس نے جواب دیا: اس کا ارادہ اور ہمت کبھی ماند نہ پڑنے والی تھی، اور تلوار صبح کے وقت بہادروں کے کارنامے انجام دیتی تھی!

پھر اس نے کہا: اے روشن چہرے والے عروس! اے پاکیزہ، خوبصورت، کریم اور عمدہ اخلاق والے!

ایسی بہت سی خصوصیات کے ساتھ جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا!

نوفل نے پوچھا: اور وہ کون سی چیزیں ہیں؟

اس نے جواب دیا: وہ فحاشی اور بری باتوں سے بالکل پاک اور عیب دار تھا،

وہ خوشبودار تھا (بدبو سے پاک)، جب کہ تو بدبودار منہ والا ہے، اور بدبودار منہ والا وہ ہوتا ہے جس کے منہ سے ناگوار بو آتی ہے،

وہ کشادہ دست تھا، تنگدست نہیں، یعنی وہ غنی تھا فقیر نہیں،

توشوہر سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے،

پھر جب وہ اسے لے کر روانہ ہوا تو اس نے کہا: اپنی خوشبو کو اپنے قریب کرو!

اس حال میں کہ اس کی نظر اس کی خوشبو کی شیشی پر پڑی جو اس سے گر چکی تھی،

تو اس نے کہا: "نئی دلہن کے بعد کوئی خوشبو نہیں ہوتی!"

❁❁❁

اُٹھو، اس بچے کو دفن کر دو!

اے وہ خاتون کہ تم بھی کسی صحابیہ سے کم نہیں ہو!

تم اپنے دل اور روح کے ساتھ پہلے اور سچے دورِ اول (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے) سے تعلق رکھتی ہو،

اور حتی الامکان یہ کوشش کرتی ہو کہ تمہاری زندگی ان کی زندگیوں سے مشابہت اختیار کرے،

کیونکہ تم یہ جانتی ہو کہ بزرگوں کی مشابہت اختیار کرنا ہی اصل کامیابی ہے!

یہی وجہ ہے کہ تم ان کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جاننے کی حرص رکھتی ہو،

کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تمہاری زندگی میں بھی کبھی ایسا ہی کوئی ملتا جلتا موقع آیا ہو،

یا ہوسکتا ہے کہ یہ موقع کسی اور کے ساتھ پیش آیا ہو،

اور تم اس میں ایک امین مشیر، تسلی دینے والی اور غم بانٹنے والی بن گئی ہو،

اور آج تم بھی کسی ایسے حادثے سے دوچار ہو جو کسی عزیز کے فوت ہو جانے کا حادثہ ہے، کیونکہ موت تو ہمیشہ سے ہمارے ہاں آنے والوں میں سب سے نمایاں مہمان رہی ہے! اور کوئی گھر ایسا نہیں ہے جو اس سے ناواقف رہا ہو،

چنانچہ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا شدید بیمار ہو گیا،

پس ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے اپنے باغ کی طرف نکل گئے،

پھر مسجد کی طرف چلے گئے،

اور اسی اثنا میں وہ بچہ فوت ہو گیا!

تو ام سلیم رضی اللہ عنہا اٹھی، اس بچے کے پاس گئی، اسے غسل دیا اور کفن پہنایا،

اور اسے اس کے بستر پر اس طرح چھوڑ دیا جیسے کہ وہ سو رہا ہو!

پھر جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہوں نے اپنی زوجہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا: میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟

انہوں نے جواب دیا: وہ اب پہلے سے کہیں زیادہ پرسکون ہو گیا ہے!

ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے کھانا کھایا،

اس کے بعد انہوں نے اپنی زوجہ سے وہ چاہا جو ایک مرد اپنی بیوی سے چاہتا ہے، تو انہوں نے اپنی خواہش پوری کی!

پھر جب وہ دونوں فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا: اُٹھو، اب اس بچے کو دفن کر دو!

پھر جب صبح ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے،

اور اپنی زوجہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا سارا ماجرا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا دیا،

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم دونوں نے اس رات خلوت کی تھی؟

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں!

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی: اے اللہ! ان دونوں کے لیے برکت عطا فرما!

چنانچہ اس رات کی برکت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے طفیل نو ماہ بعد ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا!

پھر جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اسے جنم دیا تو انہوں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

اسے سنبھال کر رکھو یہاں تک کہ تم اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ،

انہوں نے اس کے ساتھ کچھ کھجوریں بھی روانہ کیں تاکہ آپ اسے گھٹی دیں (تحنیک کریں)، تاکہ اس بچے کے پیٹ میں جانے والی سب سے پہلی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دہنِ مبارک کا لعاب بنے!

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچے کو اپنی آغوش میں لیا،

پھر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں، کھجوریں ہیں!

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کھجوریں لیں، پھر انہیں اپنے منہ مبارک میں چبایا، پھر اس سے نومولود کی گھٹی دی (تحنیک کی)، اور اس کا نام عبداللہ رکھا!

اے صحابیہ!

ہرگز جلد بازی نہ کرو اور یہ نہ کہو: اے ام سلیم! تم ایک ایسی ماں ہو جو مادری الفت اور شفقت سے محروم معلوم ہوتی ہو!

بھلا انہوں نے یہ سب کچھ کیسے کر ڈالا جب کہ ان کا بچہ اپنے کفن میں لپٹا ہوا تھا؟!

تم اس بات کا پورا یقین رکھو کہ ان کا دل بھی درد اور کسک سے تڑپ رہا تھا،

اور ان کا دل بھی ہر محروم اور غم زدہ ماں کی طرح ٹوٹا ہوا تھا،

اور لیکن جب ایمان انسانوں پر غلبہ پا لیتا ہے تو وہ انہیں بالکل دوسرے ہی انسان بنا دیتا ہے! اور ام سلیم تو ایمان کا پہاڑ اور صبر کی چٹان تھیں،

وہ یہ خوب جانتی تھیں کہ صبر ہی جزع وفزع کا پہلا علاج ہے،

اور یہ کہ اگر انہوں نے رو پیٹ کر اپنے شوہر کا استقبال کیا تو اس سے ان کا بیٹا واپس نہیں آنے والا!

اور کسی بھی بیوی پر یہ لازم نہیں ہے کہ اگر وہ اپنے شوہر کے سوگ کو اچھے طریقے سے نبھالے تو وہ گنہگار ہو جائے!

بری خبر تو تھوڑی دیر انتظار بھی کر سکتی ہے،

اور زندہ انسان فوت ہونے والے کی نسبت زیادہ حق دار ہے!

اور اللہ کچھ انسانوں کو معاملات میں بصیرت کی حکمت عطا فرما دیتا ہے،

میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو ہسپتال میں اپنے والد کے پاس تھا،

اور اس سال رمضان کا مہینہ تھا،

والد کا انتقال عصر کی اذان کے وقت ہو گیا!

تو اس نے اپنے گھر والوں کو اس کی خبر نہیں دی، اور اس خبر کو ان سے چھپا کر رکھا،

جب وہ فون کر کے اس سے والد کے بارے میں پوچھتے،

تو وہ کہتا: الحمدللہ، وہ بالکل ٹھیک ہیں، انہیں اب کوئی تکلیف نہیں ہوتی!

پھر مغرب سے آدھا گھنٹہ قبل اس نے انہیں فون پر ان کی وفات کی خبر دی،

جب اس بات پر تعزیت کا سلسلہ ختم ہوا تو گھر والوں نے اس پر طعنہ زنی کی!

تو اس نے ان سے کہا: میں نے دل میں سوچا کہ اگر میں تمہیں بروقت خبر دے دیتا، تو تمہارے دلوں میں غم اتر جاتا!

جب کہ تم روزے سے تھے، تو میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ افطار سے پہلے تمہیں خبر دوں!

پس اگر اس دور میں اتنی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان ہمارے درمیان موجود ہے،

تو پھر اس خاتون کی سمجھ بوجھ کا عالم کیا ہوگا جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہی تھی،

اور نزولِ وحی کے مبارک زمانے کی چشم دید گواہ تھی!

اے صحابیہ!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی (زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ کی طرف قاصد بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئیں!

کیونکہ ان کا چھوٹا بچہ نزع کی حالت میں تھا،

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف کہلا بھیجا: بے شک اللہ ہی کا ہے جو اس نے لے

لیا، اور اسی کا ہے جو اس نے عطا فرمایا!

اور ہر چیز اس کے ہاں ایک مقررہ وقت پر ہے، لہذا تم صبر کرو اور اجر کی امید رکھو!

تو انہوں نے دوبارہ قاصد بھیجا اور قسم دے کر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور تشریف لائیں! چنانچہ آپ اٹھے اور آپ کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت بھی چلی،

پس وہ بچہ آپ کی خدمت میں لایا گیا، اور اس کی سانسیں ٹوٹ رہی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو بہہ نکلے!

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے! اور اللہ اپنے بندوں میں سے صرف رحم دل بندوں پر ہی رحم فرماتا ہے!

والد اللہ کے بعد سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے،

اور بیٹی اپنے والد سے بے نیاز نہیں ہوسکتی،

خواہ اس کا شوہر اور اولاد ہی کیوں نہ ہو جائیں!

والد کا ذائقہ ہی بالکل الگ ہوتا ہے جو کسی اور میں نہیں پایا جاتا!

بے شک وہ چھوٹی بچی جس کے گھر میں اس کے والد کی آواز موجود ہوتی ہے،

وہ دنیا کے تمام بچوں سے زیادہ محفوظ ہوتی ہے!

اور جب وہ بڑی ہو جاتی ہے تب بھی وہ اس امن سے بے نیاز نہیں ہوتی،

کیونکہ عورت کا اپنے گھر والوں سے سہارا اور مدد طلب کرنا انسانی فطرت ہے!

ان تمام باتوں کے باوجود ہر چیز پر یہ لازم ہے کہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا اس پر مقدم ہو، اور جب اللہ کا فیصلہ نافذ ہو جائے تو اس کے ساتھ باادب رہنا چاہیے!

رہا جزع وفزع (رونا پیٹنا اور واویلا کرنا)، تو اس سے نہ تو کوئی مردہ واپس آتا ہے،

اور نہ ہی کوئی دفن شدہ زندہ ہوتا ہے،

مگر ہاں، یہ عمل انسان کے دین کو ضرور لے جاتا ہے!

اے صحابیہ!

کسی عزیز کے فوت ہو جانے پر رونا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے! مومن تو نرم مزاج،

نرم دل اور پاکیزہ جذبات کا حامل ہوتا ہے،

اور جب وہ کسی عزیز کو کھو دیتا ہے تو اس کا رونا ایک فطری امر ہے!

اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی روئے تھے،

جب آپ نے اپنی صاحبزادی کے صاحبزادے کو نزع کی حالت میں دیکھا، جب کہ آپ تمام انسانوں کے سردار، اور اللہ کی تقدیر پر راضی رہنے والوں کے بھی سردار ہیں،

پس رونے کو کمزوری ہرگز مت سمجھو!

مصیبت کے وقت رونا انسان کے نفس کو راحت پہنچاتا ہے!

اس کے برعکس باتوں کو دل میں چھپانا (کتمان) روح کا گھٹن بن جاتا ہے،

اور روح پر بوجھ بن کر بیٹھ جاتا ہے!

اور محدث اور فقیہ ابو بکر بن عیاش نے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا:

جب میں جوان تھا تو جب بھی مجھ پر کوئی مصیبت آتی، میں خود کو تسلی دیتا،

اور اپنے آنسوؤں کو روک لیتا تھا، تو یہ عمل مجھے تکلیف دیتا اور میرے درد کو اور بڑھا دیتا،

یہاں تک کہ ایک دن میں نے ایک اعرابی (بدوی) کو کھڑے ہوئے دیکھا جس کے گرد لوگ جمع تھے اور وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا:

اے میرے دونوں دوستو! اونٹوں کے کجاووں کا رخ پھیرو،

حزوی کے ٹیلوں پر رک جاؤ اور ان بستیوں کے پاس رو لو!

شاید آنسوؤں کا بہہ جانا دل کے درد کو راحت بخش دے،

یا کسی غمزدہ کے دل کی بھڑاس نکال کر اسے شفا دے دے!

پس میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا: یہ تو شاعر ذوالرمہ ہے!

پھر اس کے بعد مجھ پر بھی ایک مصیبت آن پڑی،

تو میں نے اس پر رونا شروع کر دیا اور اس میں اپنے لیے راحت پائی!

اور میں نے اپنے دل میں کہا:

سبحان اللہ، یہ بدوی کتنا سمجھدار اور کتنی گہری سمجھ والا ہے!

اس بات کے باوجود کہ آنکھ کا رونا جاری تھا اور دل اللہ کی رضا اور تسلیمِ رضا سے لبریز تھا! رہا نوحہ کرنا، آواز بلند کرنا، کپڑے پھاڑنا اور بال نوچنا تو یہ کوئی اور ہی چیز ہے،

اور یہ تو اللہ کی تقدیر پر شکوہ اور ناراضی کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے!

اے صحابیہ!

عبداللہ بن ابی سلیط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا:

میں نے ابو احمد بن جحش کو دیکھا کہ وہ زینب بنت جحش کا جنازہ (تابوت) اٹھائے ہوئے ہیں، جب کہ وہ نابینا ہیں اور رو رہے ہیں!

تو میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ فرما رہے ہیں:

اے ابو احمد! تابوت سے ہٹ جاؤ، لوگوں کو تمھاری ضرورت نہیں ہے، لوگ تابوت پر ہجوم کر رہے ہیں!

تو ابو احمد نے کہا: اے عمر! یہ وہ ہستی ہیں جن کے ذریعے ہمیں ہر قسم کی بھلائی ملی ہے! اور اس تابوت کے اٹھانے سے میرے دل کی گرمی اور جلن ٹھنڈی ہوتی ہے!

تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ!

اے صحابیہ!

اور جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے بھائی عتبہ کی وفات کی خبر پہنچی،

تو وہ روئے... ان سے پوچھا گیا: کیا آپ روتے ہیں؟

انہوں نے کہا: وہ نسب میں میرا بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے!

اور اس کے باوجود میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے مرنے سے پہلے مر جاتا، تاکہ میں اس پر صبر کرتا اور اجر کی امید رکھتا،

کیونکہ اسے اپنے لیے ذخیرہ کرتا، جو کہ میرے مرنے سے مجھے زیادہ محبوب ہے کہ وہ مجھ پر صبر کرتا اور اجر کی امید رکھتا! بے شک یہ وہ رحمت ہے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے، اور ابن آدم اس کا مالک نہیں ہے!

اے صحابیہ!

ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: بے شک آپ ایسے انسان ہیں کہ آپ کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا!

انہوں نے فرمایا: سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو انہیں فانی دنیا سے لے جاتا ہے،

اور انہیں باقی رہنے والے گھر (آخرت) میں ذخیرہ کر لیتا ہے!

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو رشتہ داروں کے فوت ہونے پر صبر کرنے کا حکم دیا،

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تعزیت اور تسلی کے ساتھ کوئی مصیبت مصیبت نہیں رہتی، اور جزع وفزع (واویلا کرنے) کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا،

موت وہ چیز ہے جو اس سے پہلے آنے والی ہر چیز سے آسان ہے اور اس کے بعد آنے والی ہر چیز سے سخت ہے،

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کو یاد کرو، تمہاری یہ مصیبت اس کے مقابلے میں

چھوٹی ہو جائے گی!

اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس کو اس کے بیٹے کے فوت ہونے پر صبر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

اگر تم غم کرو گے تو فوت ہونے والا اس کا مستحق ہے کہ اس سے قرابت داری کا رشتہ تھا، اور اگر تم صبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اس بیٹے کا بہترین نعم البدل عطا فرمائے گا!

بے شک اگر تم صبر کرو گے تو تقدیر تو بہر حال تم پر جاری ہو کر رہے گی اور تمہیں اس کا اجر بھی ملے گا،

اور اگر تم جزع وفزع کرو گے تب بھی تقدیر تم پر جاری ہو کر رہے گی مگر تم گنہگار بھی ہو گے!

پوشیدہ رزق!

تم بھی اے صحابیہ!

یہ جانتی ہو کہ اللہ کے ہاں لوگوں کے ساتھ کیا گیا کوئی نیکی کا معروف ضائع نہیں ہوتا، تم اس بات پر ایمان رکھتی ہو کہ تم جو بھی درہم صدقہ کے طور پر نکالتی ہو وہ تمہیں کئی گنا بڑھ کر واپس ملتا ہے،

اور تم جس دل کو بھی تسلی دیتی ہو وہ تم پر جڑ جڑ کر تلافی کی صورت میں لوٹتا ہے،

اور تم جس آنسو کو بھی پونچھتی ہو وہ پلٹ کر تمہارے لیے خوشی اور مرہم بن جاتا ہے!

لیکن اپنے اس گہرے ایمان کے باوجود تم اس معاملے میں مزید کہانیاں سننا پسند کرتی ہو، شک کی وجہ سے نہیں بلکہ یقین میں اضافے کے باب سے!

اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا تھا کہ وہ اسے دکھائے کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے، حالانکہ ان کے دل میں ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا بلکہ وہ اپنے دل کا اطمینان چاہتے تھے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں دو بھائی تھے،

جن میں سے ایک کا ایک پیشہ تھا جس سے وہ کمائی کرتا تھا،

جب کہ دوسرے کا کوئی پیشہ نہیں تھا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتا اور آپ سے حدیث اور قرآن حاصل کرتا تھا،

اور وہ بھائی جس کا پیشہ تھا، وہ اپنے اوپر بھی خرچ کرتا اور اپنے اس بھائی پر بھی خرچ کرتا تھا!

پھر جس بھائی کا پیشہ تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے بھائی کی شکایت کرنے لگا!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: شاید اسی کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے!

اے صحابیہ!

ہر دور میں لوگ، لوگ ہی رہتے ہیں (ان کی جبلت نہیں بدلتی)!

ان لوگوں کو سب سے زیادہ جس چیز نے مشغول کر رکھا ہے وہ رزق، مال اور حصولِ معاش ہے، اور یہ وہ فطرت ہے جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے!

حالانکہ مال جمع کرنا کوئی عیب نہیں ہے، اور مالدار ہونا بھی کوئی عار نہیں ہے،

اور نیک بندے کے ہاتھ میں حلال مال کیا ہی بہترین چیز ہے!

اہم بات یہ ہے کہ تم مال کے مالک بنو، نہ کہ مال تمہارا مالک بن جائے،

اور وہ تمہارا خادم بنے نہ کہ آقا!

اور یہ کہ تم اسے اپنے قدموں کے نیچے رکھو تاکہ وہ تمہیں بلند کرے، نہ کہ اسے اپنے سر کے اوپر رکھو کہ وہ تمہیں جھکا دے!

اے صحابیہ!

یہ حدیث بے کاری کی تشجیع (ترغیب) نہیں ہے،

اور نہ ہی اس بات پر ہے کہ انسان دوسروں پر بوجھ بن جائے،

بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے؛

بے شک وہ احادیث جو عمل اور محنت کی ترغیب دیتی ہیں،

اور اس شخص کی تعریف کرتی ہیں جو اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتا ہے، بہت زیادہ ہیں! لیکن اس طرح کی احادیث تو صرف اس بھائی کے لیے کہی جاتی ہیں جس کا کوئی کام یا پیشہ نہ ہو، اور یہ اس بھائی کے لیے نہیں کہی جاتیں جس کا اپنا پیشہ ہو، تاکہ اس میں اس کے بھائی کو کام چھوڑ دینے پر اکسانے کا پہلو نہ نکلے!

یہی وجہ ہے کہ اس کمانے والے بھائی کو وہ بات نہیں کہی گئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی: شاید اسی کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے!

اے صحابیہ!

کام تو رزق کا صرف ایک سبب ہے، لیکن حقیقی رازق تو صرف اللہ ہی ہے!

اور تم کیا جانو، شاید اللہ نے تمہارے عمل اور تجارت میں رزق کا دروازہ تمہاری محنت اور تگ ودو کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کی وجہ سے کھولا ہو!

اور یہ (رزق) صرف اس وجہ سے ہے کہ تم اپنے دونوں والدین پر خرچ کرتی ہو،

اور معذور بچے کی دیکھ بھال کرتی ہو جس سے تم تگ ودو سے نہیں اکتاتیں،

اور کسی فقیر کے لیے ماہانہ رقم مقرر کرتی ہو، اور کسی مریض کی دائمی دوا کا بوجھ اٹھاتی ہو! تم کیا جانو کہ اللہ نے تمہیں ایک ایسا ذریعہ اور وسیلہ بنا دیا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے،

جب کہ تم خود رزق دی جا رہی ہوتا کہ تم آگے عطا کرو،

اور اللہ چاہتا ہے کہ وہ اس خیر کو تمہارے پاس ہمیشہ جاری نہ رکھے،

بلکہ تم اسے دوسروں تک پہنچاؤ!

تم خود اپنی ذات کو رزق دینے سے کمزور ہو،

اور بدستور اس بات سے کہیں زیادہ کمزور ہو کہ تم دوسروں کو رزق دو،

مگر اس ذاتِ پاک نے جب تمہیں دوسروں کے رزق کا ذریعہ بنایا تو اس نے دراصل تم پر احسان عظیم کیا ہے،

اور تمہیں اس نیک کام کے لیے منتخب کیا ہے،

پس وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اسے براہ راست رزق دے اور تم سے بے نیاز

کر دے، تو جو رزق اس کی طرف سے براہ راست پہنچتا ہے اس میں اس کی محتاجی کا کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ اس نے لوگوں کو ہمارے لیے جنت کے دروازے بنایا ہے،

پس تم کسی ایسے دروازے کو ہرگز مت بند کرو جسے اللہ نے تمہارے لیے کھولا ہو!

شاید اگر تم نے اسے بند کر دیا تو تم دوسروں کی اسی طرح محتاج ہو جاؤ گی جیسے دوسرے پہلے تمہارے محتاج تھے!

پس تم عطا کرو، اور اپنے رب کی حمد بیان کرو کہ اس نے تمہیں دینے والی امت بنایا ہے نہ کہ چھیننے والی!

اے صحابیہ!

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ صدقہ دینے والے لوگوں میں سے تھے،

وہ فقراء کو اس کثرت سے عطا کرتے کہ یہاں تک کہ ان کے قریبی رشتہ دار بھی انہیں ملامت کرنے لگتے، اور ان سے کہتے: اس سے کچھ کم دیا کرو!

وہ ان سے کہتے: اللہ نے مجھے ایک عادت کا خوگر بنایا ہے، اور میں نے اللہ کے بندوں کو ایک عادت کی عادت ڈالی ہے!

پس مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اپنی عادت بدلی تو کہیں اللہ اپنی عادت نہ بدل دے!

یہ ایک باریک اور عمیق فہم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

"شاید اسی کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے!"

اے صحابیہ!

بے شک صدقے کے جو قصے ہم تک پہنچے ہیں وہ ہمیں دنگ کر دیتے ہیں،

اور صدقہ دینے والے کو اللہ کی طرف سے ملنے والا بدلہ تو حیرت میں ڈال دیتا ہے!

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے

روایت کیا ہے، انہوں نے کہا:

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حال میں روزہ رکھا کہ شام ہوگئی اور ان کے پاس سوائے دو روٹیوں کے کچھ نہ تھا،

پھر ایک سائل آیا تو آپ نے ایک روٹی اسے دینے کا حکم دے دیا،

پھر دوسرا سائل آیا تو آپ نے دوسری روٹی بھی اسے دینے کا حکم دے دیا،

آپ کی لونڈی نے انکار کر دیا کہ وہ اسے سائل کے حوالے کرے!

چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے نیچے سے وہ روٹی اس سائل کی طرف پھینک دی!

تو آپ کی لونڈی نے آپ سے کہا:

ذرا دیکھئے تو سہی کہ آپ کس چیز سے افطار کریں گی؟

پھر جب شام گہری ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے!

عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کون ہے یہ؟

اس نے جواب دیا: فلاں خاندان کا قاصد (یا بھیجا ہوا شخص) ہوں!

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر وہ غلام ہے تو اسے اندر لے آؤ، تو جب وہ اندر آیا تو وہ ایک بھنی ہوئی بکری اٹھائے ہوئے تھا جس پر روٹیاں بھی رکھی ہوئی تھیں!

عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی سے فرمایا:

گن لو! دیکھو تو سہی، یہ ہمارے پاس موجود اس روٹی سے کتنی بہتر ہے جو تم نے بچا کر رکھی تھی، پس قسم بخدا! اس سے پہلے انہوں نے ہمیں کبھی کچھ ہدیہ نہیں کیا تھا!

اللہ کا بدلہ اسی طرح ہوتا ہے جب وہ تمہاری دی ہوئی چیز کو فراموش نہیں کرتا!

اور وہ تمہیں کثیر خیر سے نوازتا ہے، بالکل اس شخص کی طرح جو ایک گھونٹ پانی دے اور اس پر موسلا دھار بارش برس پڑے!

اے صحابیہ!

ایک شخص عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور ان سے شکایت کرنے لگا کہ اس کے گھٹنے میں پچھلے سات سال سے ایک پھوڑا نکلا ہوا ہے،

اور اس نے اس کا ہر قسم کا علاج کروالیا ہے،

جس طبیب سے بھی کسی دوائی کی امید تھی اس نے اسے نہیں چھوڑا سوائے اس کے کہ اس کا علاج کروایا، مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا!

تو ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا:

جاؤ اور کسی ایسی جگہ پر کنواں کھودو جہاں پانی کی ضرورت ہو،

کیونکہ مجھے امید ہے کہ وہاں پانی کا چشمہ پھوٹ نکلے گا اور تمہارا خون رک جائے گا (بیماری دور ہو جائے گی)،

چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور وہ شفایاب ہو گیا!

صدقے کا یہ فہم صرف برکت تک ہی محدود نہیں ہے،

بلکہ یہ تو وہ دوا ہے جسے وہ اپنے مریضوں کے لیے تجویز کرتے ہیں!

اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں اس سے ملتی جلتی ایک قریبی روایت نقل کی ہے کہ: ہمارے شیخ الحاکم ابو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر ایک پھوڑا نکل آیا،

اور انہوں نے ہر قسم کا علاج کروایا مگر وہ ٹھیک نہیں ہوا،

اور وہ تقریباً ایک سال تک ان کے چہرے پر باقی رہا!

تو انہوں نے ابو عثمان صابونی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ وہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں ان کے لیے دعا کریں،

چنانچہ انہوں نے دعا کی اور زیادہ تر لوگوں نے آمین کہی،

پھر جب دوسرا جمعہ آیا تو مجلس میں ایک عورت نے ایک پرچہ ڈالا،

جس میں لکھا تھا کہ جب وہ اپنے گھر واپس گئی، تو اس نے اس رات الحاکم ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں بہت زیادہ دعائیں کیں،

اس نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور آپ نے اس سے فرمایا:

ابو عبداللہ سے کہہ دو کہ وہ مسلمانوں کے لیے پانی عام کر دیں (کنواں کھود کر پانی جاری کریں)! پس وہ پرچہ حاکم ابو عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا،

تو انہوں نے لوگوں کے لیے پانی کا انتظام کرنے کا حکم دیا،

اور پانی میں برف ڈالی تا کہ لوگوں کو گرمی سے راحت ملے،

چنانچہ لوگوں نے پانی لیا، پیا اور اس سے فیض حاصل کیا،

پھر اس پر ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ شفایابی ظاہر ہوگئی،

اور وہ سارے زخم ختم ہو گئے، اور ان کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو کر لوٹ آیا،

اور وہ اس کے بعد کئی سال زندہ رہے!

اے صحابیہ!

منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب میں مصر پہنچا تو وہاں کے لوگ قحط میں مبتلا تھے،

جب انہوں نے جمعہ کی نماز پڑھی تو وہ رونے اور دعا کرنے میں بلند آواز سے شور مچانے لگے،

میرے دل میں ایک نیت پیدا ہوئی، اور میں مسجد کے وسط میں جا کر کھڑا ہو گیا اور کہا:

اے لوگو! صدقے کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرو کیونکہ کوئی اور چیز اس کے مثل قربت کا ذریعہ نہیں بن سکتی!

پھر میں نے اپنی چادر نیچے پھینک دی اور کہا:

یہ سب کچھ ہے جو میرے پاس ہے، اب تم بھی صدقہ کرو!

چنانچہ لوگ صدقے کی طرف ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ ایک عورت نے اپنے زیورات اتار کر اس چادر میں ڈالنے شروع کر دیے یہاں تک کہ وہ چادر بھر کر چھلک اٹھی!

پھر آسمان سے بارش برس پڑی اور وہ لوگ سرسبز وشاداب حالت میں باہر نکلے،

اور میں اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گیا،

جب میں اسکندریہ میں گھوڑے پر سوار چکر لگا رہا تھا، اچانک ایک شخص نے مجھے گھور کر دیکھا، میں نے پوچھا: کیا بات ہے؟

اس نے کہا: کیا تم وہی ہو جو جمعہ کے دن بولے تھے؟

میں نے کہا: ہاں!

اس نے کہا: تم لوگوں کے لیے فتنہ بن گئے ہو، لوگ کہتے ہیں: اس نے دعا کی تھی اور اس کی دعا قبول ہو گئی!

میں نے کہا: بلکہ میں تو ایک گناہگار بندہ ہوں، میں نے تمہیں صدقہ کرنے پر اکسانے کے علاوہ کچھ نہیں کیا!

پس غور کرو اے صحابیہ! کہ کس طرح اللہ کا عطا کردہ فضل انسان کے عطا کے پردے کے پیچھے چھپا ہوتا ہے،

اور جب انسان اپنی عطا سے پردہ ہٹا لیتا ہے اور دیتا ہے،

تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا عطا کردہ فضل اسے کئی گنا بڑھ کر واپس لوٹا دیتا ہے!

اے صحابیہ!

محمد بن وضاح رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو فقہ اور حدیث کی تعلیم دینے کی ایک مجلس میں موجود تھے، ایک شخص اندر داخل ہوا اور کہنے لگا: ابھی ہل بیل سے چھوٹ گیا ہے اور اس نے آپ

کے بیٹے کو زخمی کر دیا ہے!

انہوں نے اس پر کوئی پروا نہیں کی اور جس حالت میں کتاب تھامے ہوئے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے، اور قاری کو حکم دیا کہ وہ اپنی قرات جاری رکھے،

پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک اور شخص اندر داخل ہوا اور کہنے لگا:

اے ابو عبداللہ! خوشخبری ہو، بچہ محفوظ رہا ہے اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے،

ہل صرف اس کے کپڑے کو لگا تھا اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا!

تو انہوں نے کہا: الحمدللہ، مجھے اس کا یقین تھا!

کیونکہ میں نے آج کے دن اس بچے کو ایک مسکین کو روٹی کا ٹکڑا دیتے ہوئے دیکھا تھا، میں جان گیا تھا کہ اسے اس دن کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی!

اس حدیث کی وجہ سے جو آئی ہے: "بے شک اللہ اپنے بندے سے صدقے کے ذریعے بری موت کو ٹال دیتا ہے جس کا وہ صدقہ کرتا ہے۔"

صدقات کے بارے میں ان کا یقین ایسا ہی تھا!

ان میں سے کوئی ایک جو سنتا ہے اسے جھٹلاتا ہے، اور اللہ کے وعدے کی تصدیق کرتا ہے! پس صدقہ بری موت سے کیسا زبردست ڈھال ہے، اور یہ مصیبت کو ٹالتا ہے،

پس تم بھی ڈھال حاصل کر واے صحابیہ!

اے صحابیہ!

شیخ محمد سالم رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کرتے ہیں،

ایک شخص اپنے گھر سے پینے کا پانی لینے کے لیے نکلا تو اسے اپنے اردگرد کہیں پانی نہ ملا، وہ ایک ایسی جگہ میں داخل ہوا جسے "الدحل" کہا جاتا ہے، اور "الدحل" پہاڑ کے نیچے ایک غار کی طرح ہوتا ہے،

جس میں خشک سالی کے دنوں میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے،

مگر جو شخص اس سے واقف نہ ہو وہ اس میں گم ہو جاتا ہے،

چنانچہ جب وہ تھوڑا سا آگے نکلا تو اسے احساس ہوا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے اور باہر نکلنے سے قاصر ہے،

تو وہ اسی جگہ بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ اس کے گھر والے اس کے پاس آ جائیں، اور اسے پانی تو نہ مل سکا لیکن اس کا وہاں ٹھہرنا طویل ہو گیا اور اس کی بھوک اور پیاس شدت اختیار کر گئی،

اس نے اپنے رب کے حضور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، تو اچانک اس کے سامنے ایک برتن آ گیا،

اس نے اسے اپنے منہ کے قریب کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ گائے کا دودھ ہے،

اور وہ اسی حالت میں پندرہ دن تک مقیم رہا،

سوائے آخری دن کے کہ اسے دودھ نہیں ملا اور آخری دن لوگوں نے اسے ڈھونڈ لیا، اور وہ اس بات پر تعجب کرنے لگے کہ اتنی طویل مدت کے بعد بھی وہ زندہ کیسے سلامت ہے،

انہوں نے اس سے اس بارے میں پوچھا مگر اس نے انہیں کچھ نہ بتایا!

پھر اس نے ان سے پوچھا: تم لوگوں نے فلاں کی گائے کا کیا کیا؟ وہ یتیم ہمسایہ جنہیں وہ ہر روز اپنی گائے کا دودھ دیا کرتا تھا؟

انہوں نے کہا: ہم تو کل تک انہیں دودھ بھیجتے رہے ہیں!

اس نے کہا: مجھے اس کا علم ہو چکا ہے!

انہوں نے پوچھا: تمہیں اس خبر کا کیسے علم ہوا؟

تو اس نے انہیں بتایا کہ میرے پاس روزانہ دودھ کا برتن آتا تھا، سوائے کل کے!

معجزات اور کرامات کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا اے صحابیہ!

کیونکہ معجزات اور کرامات کا رب وہ زندہ ہستی ہے جسے موت نہیں آتی،

کائنات میں اس کا طریقہ کار ہمیشہ جاری و نافذ رہتا ہے، اور بندے کی طرف سے کیا جانے والا احسان لوٹ کر اسی کی طرف آتا ہے،

اور سب سے خوبصورت بات جو اولین لوگوں نے کہی وہ یہ ہے: نیکی کے اچھے کام بری موت اور بربادی کی جگہوں سے بچاتے ہیں!

❁❁❁

رحم کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے!

تم بھی اے صحابیہ!

تمہارا دل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس کا اسیر ہے،

وہیں تمہیں راحت اور سکون ملتا ہے،

آپ کے چہرۂ مبارک کے نقوش میں دل اپنا ڈیرہ ڈالتا ہے،

اور آپ کی شیریں آواز سے روح سیراب ہوتی ہے اور تر و تازہ ہوتی ہے،

یہ مجالس دین اور دنیا دونوں کے لیے ہیں،

ان میں آخرت کا وہ زادِراہ ہے جو ہمارا انجام ہے،

اور ان میں دنیا کی وہ حکمت ہے جس پر ہمارا گزر بسر ہے!

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ آئے،

اور اس مجلس میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما چھوٹے بچے کے طور پر کھیل رہے تھے،

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اٹھایا اور بوسہ دیا...

تو اقرع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے دس بچے ہیں اور میں نے ان میں سے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا!

اور ایک بدوی (اعرابی) آیا جب کہ حسن رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے کھیل رہے تھے،

آپ نے انہیں اٹھایا، بوسہ دیا اور گلے سے لگا لیا...

تو اس بدوی نے کہا: کیا آپ بچوں کو چومتے ہیں؟ ہم تو انہیں نہیں چومتے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہارے دل سے رحمت نکل جانے پر کوئی اختیار رکھتا ہوں؟!

اے صحابیہ!

اپنے دل اور روح سے اس فرمان پر غور کرو:

جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا!

بے شک اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس نے بدلہ عمل ہی کی جنس سے رکھا ہے! بھلائی کا بدلہ وصلہ ویسی ہی بھلائی ہے، اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے!

فرعون اس لیے غرق نہیں کیا گیا تھا سوائے اس کے کہ وہ کہا کرتا تھا: "کیا میرے لیے مصر کی بادشاہی نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے بہہ رہی ہیں!"

اللہ تعالیٰ نے سمندر کا پانی اس کے اوپر جاری کر دیا۔

اور یوسف علیہ السلام کے بھائی جنہوں نے انہیں فروخت کرتے وقت ان کا نقد معاوضہ اپنے ہاتھوں سے پکڑا تھا،

جب وہ مصر کے عزیز بنے تو انہوں نے اس کے بعد وہی ہاتھ ان کے سامنے پھیلائے! اور بے شک شہید سے اس کی قبر میں کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی

کیونکہ اس کے لیے تلواروں کا سایہ ہی فتنہ سے بچنے کے لیے کافی ہے!

اور تمام مخلوقات میں سے سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو روزِ قیامت لباس پہنایا جائے گا، اس لیے کہ اس آگ نے ان کے وہ کپڑے کھا لیے تھے جو ان کی قوم نے انہیں آگ میں ڈالتے وقت پہنائے تھے!

یہ دنیا گردش کرتی رہتی ہے، اور ہر پلانے والے کو اسی پیالے سے پلایا جائے گا جس سے اس نے دوسروں کو پلایا تھا،

پس اگر بھلائی ہو تو اس کا بدلہ بھلائی ہے، اور اگر برائی ہو تو اس کا بدلہ برائی ہے!

تم کسی فقیر کے ہاتھ میں جو بھی صدقہ رکھتی ہو وہ دراصل تمہاری اپنی حفاظت ہے،

تا کہ ایسا دن نہ آئے جب تمہیں اپنا ہاتھ پھیلانا پڑے اور تم دوسروں سے صدقہ مانگو!

تم کسی مریض کے علاج پر جو خرچ کرتی ہو وہ دراصل اس بیماری سے بچنے کے لیے تمہارا احصار (ڈھال) ہے!

تم اپنے ہاتھ سے جو بھی آنسو پونچھتی ہو وہ ایک ایسا ذخیرہ ہے جسے زمانہ سنبھال کر رکھتا ہے، تا کہ اگر کبھی تمہارا اپنا آنسو بہے تو وہ کام آئے!

تم نے جس لڑکھڑاتے اور گرتے ہوئے انسان کی مدد کے لیے جو ہاتھ بھی اٹھایا، وہ ایسا ہاتھ ہے جسے تم کل کے لیے محفوظ کر رہی ہو، تا کہ اگر تم خود لڑکھڑاؤ تو تمہیں اٹھانے والا مل جائے!

تم نے کسی مظلوم کی جو مدد کی ہے وہ کل کے لیے تمہارا ایک ایسا سپاہی ہے جو کل کو تم پر ظلم ہونے کی صورت میں تمہاری مدد کرے گا!

تم نے کسی کی غیر موجودگی میں جو بھی کلمۂ خیر (اچھی بات) کہی، وہ ایک ایسا کلمۂ خیر ہے جو کل کو کوئی دوسرا تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے لیے کہے گا! تم نے کسی کی عزت کا جو دفاع کیا وہ گویا تم نے اپنی ہی عزت کا دفاع کیا، کیونکہ یہ تمہاری وہی عزت ہے جسے تم مستقبل کے لیے محفوظ کر رہی ہو تا کہ اگر کوئی اس پر حملہ کرنا چاہے تو وہ اس کا بچاؤ کرے!

یہاں تک کہ میت کے لیے دعا کرنا بھی تمہارے لیے ایک ایسی دعا ہے جسے تم اس وقت کے لیے محفوظ کرتی ہو جب تم خود مرنے والی ہوگی،

پس جیسے ہی تم میت کے لیے ہاتھ اٹھاتی ہو، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پیدا کر دے گا جو اس وقت ہاتھ اٹھائے گا جب تم خود میت ہو گی اور تمہارے لیے دعا کرے گا!

نیکی کا بدلہ دینے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی محافظ نہیں ہے،
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے کیسے ایک نبی اور ایک صالح ولی کو بھیجا
تا کہ وہ دو یتیم بچوں کی دیوار کو سیدھا کر دیں،
صرف اس لیے کہ ان کا باپ صالح (نیک) تھا؟!

اے صحابیہ!

یہ دینِ رحمت، حنان اور شفقت ہے،
اور جس کے دل میں رحمت نہیں ہے اس نے اسلام کو حق طور پر سمجھا ہی نہیں،
اور اسے اس میں سے سوائے اس کے کچھ نہیں ملا جیسے تیر نشانہ پر بیٹھتا ہے،
اسے چیرتا ہے اور اس کے آر پار گزر جاتا ہے،
اور اس کے علاوہ اس کا کوئی حصہ اس تک نہیں پہنچتا!
ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے،
تو آپ کے نبی اور محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ضرورت سے تشریف لے گئے، اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اکیلا چھوڑ دیا،
انہوں نے ایک سرخ چقوری (پرندہ) دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے،
وانہوں نے اس کے بچے پکڑ لیے،
چنانچہ وہ پرندہ ان کے اوپر منڈلانے لگا اور اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگا،
وہ اپنے بچوں کے فراق میں غم زدہ ماں تھی!
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:
کس نے اس پرندے کو اس کے بچوں کے معاملے میں تکلیف دی ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کرو! اے دین کی عظمت اور شریعت کی شان!

اور اے اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام! جو ایک چھوٹی سی چڑیا (پرندہ) کا دل ٹوٹنا بھی گوارا نہیں کرتے!

بے شک دلوں کی دلجوئی ہڈیوں کے جوڑنے پر مقدم ہے!

کیونکہ دلوں کا ٹوٹنا زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے،

اور ہڈیوں کا ٹوٹنا تو جلد جڑ جاتا ہے،

مگر دلوں کا ٹوٹنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتا ہے،

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کی وجہ سے کسی کو بھی کوئی تکلیف پہنچے!

اے صحابیہ!

وہ بات جو تم کسی مجلس میں کسی ساتھی یا قریبی رشتہ دار کے خلاف اس غرض سے کہتی ہو کہ دوسرے لوگ اس پر ہنسیں، اس کے دل میں گہرائی تک اتر جاتی ہے!

پھر مجلس برخاست ہو جاتی ہے، ہنسی مذاق ختم ہو جاتا ہے، اور وہ اپنے تکیے پر اداس سر رکھ کر لیٹ جاتی ہے،

اور شاید وہ اس رات اس وجہ سے نہ سو سکے کہ محترمہ نے محض دل بہلانا چاہا تھا!

دلوں کی دلجوئی کرنا ایک ایسی عبادت ہے جو بالکل روزہ اور نماز کی طرح ہے..

کسی مسکین کے چہرے پر تمہاری مسکراہٹ تمہارے نزدیک تو محض ایک ایسی مسکراہٹ ہے جس پر کوئی خرچ نہیں آتا،

لیکن اس کے لیے وہ ایک بہت بڑا تحفہ ہے جو اس کا پورا دن بنا دیتا ہے،

اور اسے اس کی انسانیت اور قدر و قیمت کا احساس دلاتی ہے جسے زندگی کی سختی نے اس سے چھین لیا تھا!

کسی بیمار ملازمہ کی عیادت کرنا جسے کوئی بیماری لاحق ہوگئی ہو،
تمہارے لیے تو محض چند منٹ کی بات ہے،
لیکن اس کے لیے وہ ایک بہت بڑا عطیہ اور قیمتی سرمایہ ہے!
تم ذرا کسی عام کام کرنے والی سے اس کے کل کے کام سے غیر حاضری کی وجہ پوچھ کر دیکھو، اور اس کی آنکھوں میں خوشی کی مقدار کا مشاہدہ کرو،
کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن پر زیادہ لاگت نہیں آتی لیکن وہ بہت زیادہ معنی رکھتی ہیں!

اے صحابیہ!

دوسروں کو خوش کرنا کسی بڑی دولت کا محتاج نہیں ہوتا،
بلکہ اس کے لیے ایک بڑے دل کی ضرورت ہوتی ہے،
اور دوسروں کو غمگین کرنا کسی لٹکی ہوئی تلوار،
نہ کسی زوردار مکّے اور نہ ہی کسی شدید طمانچے کا محتاج ہوتا ہے،
بلکہ بسا اوقات محض ایک بات ہی تلوار کے وار سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے، لہٰذا تم خود سے کبھی کسی کو تکلیف نہ دینا!

اے صحابیہ!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار میں سے کچھ لوگوں کے ایک باغ میں داخل ہوئے،
تو اچانک وہاں ایک اونٹ موجود تھا...
پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے! چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے قریب گئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا یہاں تک کہ وہ پرسکون ہوگیا، پھر آپ نے پوچھا: یہ اونٹ کس کا ہے؟

تو انصار میں سے ایک نوجوان آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا ہے!

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: کیا تم اس بے زبان جانور کے معاملے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس کا مالک تمہیں اللہ نے بنایا ہے؟

کیونکہ اس نے مجھ سے شکایات کی ہیں کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور تھکاتے ہو!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرگز یہ پسند نہیں فرمایا کہ اونٹ بھوکا رہے،

اور یہ کہ وہ کھانے میں اپنا حصہ نہ پائے،

اور یہ کہ وہ تھک جائے اور اس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ ڈالا جائے،

یہ وہ دین ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو انسانیت کے بلند ترین درجوں پر فائز کر دیا، اور انہیں جانوروں پر بھی رحم کرنے کی ترغیب دی، پھر انسانوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے!

اے صحابیہ!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عورت کا ذکر کرتے ہیں جو ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں چلی گئی جسے اس نے قید کر رکھا تھا یہاں تک کہ وہ مر گئی،

نہ اس نے اسے کھلایا اور نہ ہی اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی،

یہ ہمیں سکھانے کے لیے ہے کہ جانوروں کے ساتھ بھی روحوں اور جانوں کا احترام کرنا لازمی ہے!

اور جب آپ ہمیں اس شخص کے بارے میں بتاتے ہیں جو پیدل چل رہا تھا، اور اسے شدید پیاس لگی،

وہ ایک کنویں میں اترا اور اس سے پانی پیا، پھر جب وہ باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے، اور پیاس کی شدت سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے،

اس نے اپنے دل میں کہا: اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس پہنچی ہے جتنی مجھے پہنچی تھی!

چنانچہ اس نے اپنا موزہ بھرا اور اسے اپنے منہ سے پکڑا اور اوپر چڑھا یہاں تک کہ کتے کو سیراب کر دیا،

اللہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اسے بخش دیا،

تا کہ ہمیں یہ سکھائیں کہ تمام مخلوقات کے ساتھ اللہ کی رحمت کے طور پر پیش آنا چاہیے، جو رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے، اور جو سختی کرتا ہے اسے سزا دی جاتی ہے!

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ مسعود الہمذانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے شخص تھے جو عفو و درگزر کو پسند کرتے تھے،

اور اسی کی ترغیب دیتے تھے اور اس کی دعوت دیتے تھے،

اور جب ان کے پاس کوئی معذرت کرنے والا آتا تو وہ اسے معاف کر دیتے اور کہتے: گزری ہوئی بات یاد نہیں کی جاتی!

جب مسعود رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا، تو انہیں خواب میں دیکھا گیا،

ان سے پوچھا گیا: اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

انہوں نے کہا: اللہ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور مجھ سے کہا:

گزری ہوئی بات یاد نہیں کی جاتی! اسے جنت میں لے جاؤ!

اے صحابیہ!

جلیل القدر صحابی عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی دیوار کے قریب چیونٹیوں کے لیے روٹی ریزہ ریزہ کر کے ڈالا کرتے تھے،

اور وہ فرماتے تھے: یہ (چیونٹیاں) ہماری ہمسایاں ہیں اور ہم پر ان کا ہمسایہ ہونے کا حق بنتا ہے!

ان کی یہ رحمت تو چیونٹی جیسے چھوٹے سے ہمسایے کے حق میں تھی،

تو ذرا سوچو کہ انسانوں میں سے جو ہمسایہ ہے

اس کے حق میں ان کی رحمت کا عالم کیا ہوگا!

یقیناً صحبت (ساتھ) نبھانا بھی نبوت کی طرح ایک انتخاب اور پسندیدگی کا معاملہ ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کے لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا انتخاب فرمایا،

اس نے ان کے دلوں میں جھانک کر دیکھ لیا تھا

کہ وہ رحمت، محبت اور ایمان سے بھرپور ہیں،

پس تم یہ جان لو کہ: انسان کی اصلیت اس کا دل ہی ہے!

اے صحابیہ!

جب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس بیماری میں مبتلا ہوئے جس میں ان کا وصال ہوا،

تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن کی طرف دیکھا،

وہاں ایک اونٹ دیکھا جسے وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں استعمال کیا کرتے تھے، انہوں نے اس سے کہا: اے اونٹ! میرے خلاف اپنے رب کے حضور مقدمہ پیش نہ کرنا، کیونکہ میں نے کبھی تجھ پر تیری طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالا!

یہ بزرگوار اس بات سے ڈرتے تھے کہ کوئی ان کے خلاف اللہ سے شکایت کر دے، خواہ وہ شکایت کرنے والا کوئی بے زبان جانور ہی کیوں نہ ہو!

لہٰذا تم اس بات سے ڈرنا کہ کوئی انسان اللہ کے حضور تمہاری شکایت کرے،

اور ان سیدھے سادھے لوگوں سے بچنا جن کا دنیا میں کوئی ایسا حامی و مددگار نہیں جو لوگوں کے مقابلے میں ان کا دفاع کرے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی ٹوٹے ہوئے دل والوں کا مددگار رہوتا ہے!

اور بسا اوقات تم کسی پر ظلم کر بیٹھتی ہو اور پھر اسے خاطر میں نہیں لاتی،

حالانکہ وہ مظلوم رات کے وقت اپنے رب کے حضور قیام کرتا ہے،

اور بادشاہِ مطلق کے سامنے اپنی فریاد رکھ دیتا ہے،

بالکل ویسے ہی جیسے نوح علیہ السلام نے فریاد کی تھی:

اے میرے رب! میں بے بس ہوں، پس تو میری مدد فرما!

اے صحابیہ!

ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مچھلی کھانے کی خواہش کی،

انہوں نے فرمایا: میرے دل میں سمندر کی تازہ مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوگئی ہے! چنانچہ ان کا خادم عمر رضی اللہ عنہ کے لیے مچھلی کی تلاش میں اونٹ پر سوار ہو کر نکلا،

پس اس نے دو راتیں آنے میں اور دو راتیں واپس جانے میں سفر کیا،

اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مچھلی لے آیا...

عمر رضی اللہ عنہ نے سواری (اونٹ) کی طرف دیکھا تو اس کے کانوں کے نیچے پسینہ دیکھا، تو ایرفا (خادم) سے فرمایا: تم نے عمر رضی اللہ عنہ کی ایک خواہش کی وجہ سے ایک بے زبان جانور کو تکلیف دی ہے!

قسم بخدا! میں اسے کبھی نہیں چکھ سکوں گا، یہ سب تم ہی کھاؤ!

تم جانتی ہو کہ مچھلی کا کھانا حلال ہے،

اور یہ کہ چوپایوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور انہیں ہمارے استعمال کے لیے مسخر کیا ہے، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ رحمت تھی،

کہ انہوں نے حلال چیز سے بھی اس بنا پر پرہیز کیا کیونکہ انہیں یہ بات ناگوار

گزری کہ ان کی کسی خواہش کی خاطر کوئی جانور تھکے،

تم چوپایوں کے ساتھ ان کی رحمت پر غور کرو!

پھر اپنے دل کی طرف دیکھو، اور اپنے آپ سے ایک سوال کرو:

لوگوں کے ساتھ میری رحمت کا کیا عالم ہے؟!

پس اگر تم اپنے دل سے مطمئن ہو،

اور اگر تم اطمینان رکھتی ہو کہ تمہیں اللہ کے حضور پیش ہونے کا کوئی خوف نہیں،

تو تم خیر پر ہو، اور بھلا کسائی میں ہو،

اور اگر تم اپنے دل میں سختی اور درشتگی پاؤ،

تو یہ جان لو کہ جہنم کی آگ صرف اس لیے پیدا کی گئی ہے تا کہ ان دلوں کو نرم کرے جو دنیا میں نرم نہیں ہوئے تھے!

اے صحابیہ!

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مصر میں حیان کو خط لکھا:

مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ مصر میں ایسے بھاری بھر کم اونٹ موجود ہیں،

جن میں سے ہر ایک اونٹ پر ایک ہزار رطل وزن لادا جاتا ہے،

پس جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے، تو میں یہ ہرگز نہ جانوں کہ تم میں سے کوئی بھی اونٹ پر چھ سو رطل سے زیادہ وزن لادتا ہو!

اور آپ نے دار الحکومت (یا بازار) کے ذمہ دار کو لکھا کہ وہ کسی کو بھی بھاری لگام پہنانے کا حکم نہ دے،

اور نہ ہی جانور کو اس کے نچلے حصے میں لوہے کی نوک والی چھڑی مار کر تیز کریں،

مسلمانوں کا خلیفہ ایک صدارتی اور اعلیٰ قانون جاری کر رہا ہے، کس کے حق میں؟

چوپایوں کے حق میں!

وہ خوب جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے زیرِ دست ہر چیز کے بارے میں باز پرس فرمانے والا ہے،

پس تم بزرگانِ دین کی سی روش اختیار کرو اے معززہ!

مواقف کا گلدستہ

تم بھی اے صحابیہ!

حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے، اور وہ جہاں بھی اسے پائے وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہوتا ہے،

اور ہم نے اس کتاب میں ایک خوبصورت رفاقت نبھائی ہے،
ایسی رفاقت جسے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے واقعات نے زینت بخشی،
ہم نے اس کے ذریعے تاریخ کا سفر کیا، اور حال پر نظر ڈالی،
اور یہ گفتگو کی کہ ہم ان واقعات کو کیسے اپنے طرزِ عمل اور رویوں کا حصہ بنا سکتے ہیں،
اور اب بات اپنے انجام اور اختتام کو پہنچ چکی ہے،
اور میں نے چاہا کہ یہاں وہاں کے کچھ واقعات کا ایک گلدستہ بنا دوں،
تھوڑی سی ایسی متنوع خوشبو جو ایک دوسرے کی معاون اور طاقت بنے!

اے صحابیہ!

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک بوڑھی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جب کہ آپ میرے پاس تشریف فرما تھے،

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟
اس نے عرض کیا: میں جثامہ المزنیہ ہوں۔
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: بلکہ تم حسانہ مزنیہ ہو!
تم سب کا کیا حال ہے؟ اور تم لوگ کی ہمارے بعد کیسے گزر بسر ہوئی؟

اس نے عرض کیا: ہم اچھے حال میں ہیں، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول!

پھر جب وہ چلی گئی تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اس بوڑھی عورت کی اس قدر توجہ اور پذیرائی کیوں فرماتے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی، اور بے شک پرانے عہد کا پاس رکھنا بھی ایمان کا حصہ ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جثامہ المزنیہ کے حال پر خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے،

پس جب آپ نے اس کے حال کے بارے میں پوچھا، اسے پہچانا، اس کی تکریم کی اور اس کی طرف متوجہ ہوئے،

محض اس لیے کہ وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں میں سے تھی،

اور یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عہد و محبت کا احترام تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی سہیلی کی قدر افزائی فرما رہے تھے!

اپنے دل اور عقل کے ساتھ اس بات پر غور کرو:

بے شک پرانے عہد کا پاس رکھنا ایمان کا حصہ ہے!

محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بندہ اس وقت تک احسان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا، جب تک کہ وہ اپنے ہر ساتھی کے ساتھ بھلا برتاؤ نہ کرے چاہے وہ ایک گھڑی کے لیے ہی کیوں نہ ہو!

اور وہ (محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ) جب کوئی بکری فروخت کرتے تو خریدار کو اس کی وصیت کرتے ہوئے فرماتے: اس کا ہمارے ساتھ ساتھ رہنا (صحبت) رہا ہے!

جب کبھی تمہارے اور تمہارے کسی دوست کے درمیان کوئی دشمنی یا جھگڑا پیدا ہو جائے، تو پرانی موافقت اور صلح کے لمحات کو یاد کرو،

ان ہنسی مذاق کے لمحات کو یاد کرو جو تم نے مل کر ہنسے تھے، اور ان آنسوؤں کو یاد کرو

جو تم نے مل کر بہائے تھے،

اور اس روٹی اور نمک (کی دوستی) کو یاد کرو جو تم نے مل کر کھایا تھا،

اور جھگڑے میں حد سے تجاوز نہ کرو، اور برائی کا بدلہ ویسی برائی سے مت دو!

جب تمہارے اور تمہارے کسی پڑوسی کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے،

تو اپنی اس بیماری کو یاد کرو جب وہ تمہاری عیادت کے لیے آئی تھی،

اور اس تسلی و غمخواری کو یاد کرو جو اس نے تمہارے ساتھ کی تھی،

اور اس کھانے کے برتن کو یاد کرو جو اس نے رمضان کے دن میں تمہیں تحفے میں بھیجا تھا، کیونکہ پرانا ساتھ اور نبھائی ہوئی دوستی شریف لوگوں کے نزدیک ضائع نہیں ہوتی!

اگر تمہیں چوٹ لگے تو خاموشی سے وہاں سے ہٹ جاؤ، اور اگر تمہاری توہین کی جائے تو دور ہو جاؤ،

اور آدم علیہ السلام کے بہترین بیٹے کی طرح بن جاؤ،

وہ جس نے اپنے بھائی کی طرف ہاتھ بڑھانے سے انکار کر دیا تھا یہاں تک کہ اس نے اسے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا،

بے شک پرانے عہد کا پاس رکھنا ایمان کا حصہ ہے!

اے صحابیہ!

سمیہ بنت خیاط رضی اللہ عنہا یعنی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ اسلام میں ساتویں شخص تھیں!

اور بنو مخزوم دوپہر کی سخت گرمی اور تپتی ہوئی ریت کے وقت، انہیں، ان کے بیٹے اور ان کے شوہر کو صحرا میں لے جاتے، اور انہیں لوہے کے دُرع (کپڑے یا زرہیں) پہناتے، اور ان پر سلگتی ہوئی ریت ڈالتے، اور پتھروں سے ان پر تشدد کرتے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمار، ان کی والدہ اور ان کے والد کے پاس سے گزرتے،

جبکہ انہیں مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر عذاب دیا جا رہا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے:

اے آلِ یاسر! صبر کرو، بے شک تمہارا وعدہ گاہ جنت ہے!

چنانچہ سمیہ رضی اللہ عنہا نے صبر کو تھام رکھا، تکلیف پر ڈٹی رہیں،

اور قوم کی اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیں،

تو وہ ان کی جان لے گئے، اور نہایت بے دردی سے انہیں قتل کر ڈالا،

چنانچہ اس کمینے ابو جہل نے اس میں اپنی حماقت کا پورا مظاہرہ کیا،

پس وہ شہید ہو گئیں، اور اسلام کی پہلی شہید بنیں!

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: اسلام میں سب سے پہلی شہید سمیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں،

اور وہ ایک بوڑھی اور کمزور خاتون تھیں،

اور جب غزوۂ بدر کے دن ابو جہل قتل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اللہ نے تمہاری والدہ کے قاتل کو قتل کر دیا ہے!

موت ہرگز آخری منزل نہیں ہے اے صحابیہ!

بلکہ یہ اس طویل سفر کا آغاز ہے جس کے بعد کوئی ٹھکانہ نہیں ہے،

سوائے اس کے کہ وہ جنت ہو یا آگ!

حق پر ثابت قدمی عمر کو کم نہیں کرتی،

اور نہ ہی منافقت اور رنگ بدلنا اس میں اضافہ کرتا ہے!

اور اہم بات یہ نہیں ہے کہ ہم کیسے مرتے ہیں بلکہ اہم یہ ہے کہ ہم موت سے پہلے کیسے جیتے رہے، اور ہم اس بات کا انتخاب نہیں کرتے کہ ہم کس طریقے سے مریں،

لیکن ہم اس بات کا ضرور انتخاب کرتے ہیں کہ ہم کس طریقے سے جییں،
ابو بکر رضی اللہ عنہ بستر پر انتقال کر گئے،
عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کو نمازِ فجر میں زخمی کیا گیا،
اور عثمان رضی اللہ عنہ المصحف پر ذبح کیے گئے،
اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ طاعون کی وجہ سے انتقال کر گئے،
ان میں سے ہر ایک الگ طریقے پر فوت ہوا،
لیکن وہ سب کے سب اللہ کے لیے جیے!

اے صحابیہ!

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:
میری والدہ نے مجھے دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرایا،
اور وہ مجھے نمازِ فجر سے پہلے بیدار کرتی تھیں،
اور بغداد کی سرد راتوں میں وضو کے لیے میرے لیے پانی گرم کرتی تھیں،
اور مجھے میرے کپڑے پہناتی تھیں،
پھر وہ خود اوڑھنی اوڑھتی تھیں اور اپنے حجاب سے ڈھک جاتی تھیں،
اور میرے ساتھ مسجد تک جاتی تھیں،
کیونکہ ہمارا گھر مسجد سے دور تھا اور راستے میں اندھیرا ہوتا تھا!
عورتیں ہی مردوں کو بنانے والی کارخانہ ہیں اے میری بہن!
یہ وہ محاذ ہے جسے ہم میں سے کوئی بھی مرد انجام دینے کی طاقت نہیں رکھتا،
تم ہی پہلی عقیدے کی محافظ اور اس دین کی نگہبان ہو!
جو کچھ تمہارے سامنے ہے وہ محض لڑکے اور لڑکیاں نہیں ہیں،

بلکہ تمہارے سامنے صحابہ اور صحابیات کے پراجیکٹس (منصوبے) ہیں،

تم کیا جانو کہ شاید یہ بچہ بیت المقدس کو فتح کرنے والا بن جائے،

یا کوئی ایسا محدث جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے جھوٹ کا رد کرنے والا ہو،

یا کوئی ایسا داعی جو لوگوں کو اللہ کے راستے پر لگانے والا ہو،

یا کوئی ایسا دین دار طبیب جو اپنے دل، شفقت اور انسانیت کے ذریعے اللہ کی طرف بلانے والا بنے،

پس اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں بیمار جسموں سے پہلے نافرمان دلوں کو شفا عطا فرمادے!

اور تم کیا جانو کہ تمہاری وہ بیٹی جس کی تم اچھی تربیت کر رہی ہو،

وہ ایک ایسے عظیم شخص کی تربیت کی ذمہ دار بنے گی جس سے اللہ بندوں اور ملک کو نفع عطا فرمائے گا،

پس یہ سب کچھ تمہارے میزانِ عمل میں ہوگا اور تمہیں اس کا شعور بھی نہیں ہوگا!

اے صحابیہ!

عجیب وغریب روایات میں سے ہے کہ:

خواب میں سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی موت کے بعد دیکھا گیا،

تو ان کے حال کے بارے میں پوچھا گیا،

انہوں نے کہا: اللہ نے مجھے معاف فرمادیا! اللہ وہ ذات ہے جو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے! اور خواب میں خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا گیا،

تو ان کے حال کے بارے میں پوچھا گیا،

انہوں نے کہا: اللہ نے مجھے اس بوڑھی عورت کی وجہ سے بخش دیا جسے میں نے سورہ فاتحہ سکھائی تھی!

اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی خواب میں دیکھا گیا تو ان کے بارے میں بھی پوچھا گیا،
انہوں نے کہا: اللہ نے مجھے ایک چقوری (پرندہ) کی وجہ سے بخش دیا جسے میں نے لڑکوں سے چھڑا لیا تھا جو اسے قتل کرنا چاہتے تھے!

کس نے تم سے یہ کہہ دیا کہ جنت کا حصول مشکل ہے؟

قسم بخدا! وہ تمہارے جوتوں کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے!

بس تم اپنی نیت کو خالص کر لو، اور اپنے دل کو مکمل طور پر اللہ کے لیے وقف کر دو!

اے صحابیہ!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک کالی رنگ کی عورت مسجد کی صفائی ستھرائی کیا کرتی تھی، پھر وہ انتقال کر گئی...

لوگوں نے اس کے معاملے کو حقیر سمجھا اور اسے دفن کر دیا،

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے معاملے کی اطلاع نہیں دی گئی!

پھر ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یاد فرمایا اور اس کے بارے میں پوچھا،

لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ انتقال کر چکی ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں دی؟ مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ! چنانچہ لوگ اس کی قبر پر گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی، پھر فرمایا:

بے شک یہ قبریں اپنے رہنے والوں کے لیے اندھیروں سے بھری ہوئی ہیں،

اور بے شک اللہ عزوجل میری ان پر نماز پڑھنے کی وجہ سے انہیں روشن کر دیتا ہے!

اور ان چیزوں میں سے جن کا ہمیں ان دنوں امتحان میں ڈالا گیا ہے یہ ہے کہ:

جب کسی مالدار، بااثر یا اونچے عہدوں والے شخص کا انتقال ہوتا ہے،

تو ہر کوئی اس کی تعزیت کے لیے آ جاتا ہے،

اور جب کسی عام اور سادہ انسان کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے جنازے میں شرکت کرنے والے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں!

موت اب مفاد پرستی کا ایک دستور بن چکی ہے!

روایت کی جاتی ہے کہ چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) کی خادمہ کا انتقال ہوا،

تو شہر کے تاجر اور معززین اس کی تعزیت کے لیے آ گئے،

اور جب خود چیف جسٹس کا انتقال ہوا تو ان میں سے کسی نے بھی ان کے جنازے میں شرکت نہیں کی،

کیونکہ وہ سب تو نئے قاضی القضاۃ کو اس کے منصب کی مبارکباد دینے میں مصروف تھے!

اس دین میں محبت کرنا ایک عبادت ہے،

اور دل میں لوگوں کا مقام و مرتبہ اپنی جگہ پر ہونا چاہیے،

اللہ کے ہاں ان کا مقام ان کے تقویٰ اور اچھے اعمال کی بنیاد پر ہے، نہ کہ ان کے اموال اور عہدوں کی بنا پر!

چنانچہ وہ خاتون جو مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس کا مقام اس کے علاوہ کسی اور چیز کی وجہ سے بلند نہیں ہوا تھا،

سوائے اس کے کہ اس کا عمل دینِ خدا کی خدمت میں تھا،

ہمیں اس عقیدے سے توبہ کر لینی چاہیے کہ انسان کی قیمت اس کے پاس موجود مال سے لگائی جاتی ہے، کیونکہ انسان کی اصل قیمت اس کا دل ہے!

تم کیا جانو کہ یہ ضعیف بزرگ جو نمازِ فجر کے لیے اپنی لاٹھی کا سہارا لے کر آتا ہے،

وہ اللہ کے نزدیک دنیا کے تمام امیروں سے بہتر ہے،

اور یہ کہ وہ ایک طاقتور اور قوی بہادر ہے،

وہ ان بہت سے جوانوں سے کہیں زیادہ طاقتور ہے جو کلبوں اور اکھاڑوں میں وزن اٹھاتے ہیں،

مگر جب مؤذن کہتا ہے: "الصلاة خير من النوم" (نماز نیند سے بہتر ہے)،

تو ان میں سے کسی میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے لحاف کو ہی ہٹا سکے!

کس نے تم سے کہہ دیا کہ وزیر اللہ کے نزدیک راستے کے صفائی کرنے والے (جھاڑو دینے والے) سے زیادہ محبوب ہے؟

اور یہ کہ وہ مالدار اور حسین اداکارہ اللہ کے زیادہ قریب ہے،

اس بڑھیا سے جو اپنی جائے نماز پر اپنے گھٹنے ٹکاتی ہے،

اور اس کی زبان ہر وقت یہی دہراتی رہتی ہے: اے اللہ! ہمارا خاتمہ بالخیر فرما!

بے شک ہمارے نزدیک انسان کی قیمت اس کے تقویٰ اور دینِ خدا کی خدمت کے پیمانے پر ہونی چاہیے،

نیک مالدار نافرمان فقیر سے بہتر ہے،

اور نیک فقیر نافرمان مالدار سے بہتر ہے!

صہیب رضی اللہ عنہ کا سودا نفع بخش رہا کیونکہ اس نے اپنا سارا مال اللہ کے لیے چھوڑ دیا تھا! اور بلال رضی اللہ عنہ کی شان اس لیے بلند ہوئی کیونکہ اس نے ایک ایک پتھر کے نیچے (سختی جھیلتے ہوئے) "أحد أحد" پکارا تھا!

اور "سلمان رضی اللہ عنہ ہم اہل بیت میں سے ہے" کیونکہ اس نے حق کی تلاش میں پوری دنیا کا چکر لگایا تھا!

سیدھے سادھے اور غریب لوگوں کی صحبت سے بے رغبتی مت برتو،

کیونکہ قسم بخدا! اللہ تعالیٰ کسی غریب اور مسکین کو صدقہ دینے سے اتنا راضی نہیں ہوتا، جتنا کہ وہ کسی مالدار کو ہدیہ (تحفہ) دینے سے راضی ہوتا ہے،

اور خالی ہاتھوں والی کسی غریب مسکین عورت کی عیادت کو وہ اس سے زیادہ پسند کرتا ہے، جتنا کہ کسی با اثر اور اونچے منصب والی خاتون کی عیادت کو،

جب کہ تمہارے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ یا مٹھائی کا ڈبہ ہو!

اے صحابیہ!

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں دودھ بیچنے والے کچھ لوگ تھے،

جو دودھ میں پانی ملایا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ بڑھ جاتا اور اس کا وزن زیادہ ہو جاتا، اور وہ اس کے ذریعے کئی گنا زیادہ منافع کماتے تھے،

چنانچہ لوگ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے دودھ فروشوں کی شکایت کی، عمر رضی اللہ عنہ نے ایک منادی (اعلان کرنے والے) کو بازاروں میں بھیجا

جو یہ اعلان کرتا تھا: اے دودھ فروشوں! دودھ میں پانی مت ملاؤ اور مسلمانوں کے ساتھ فریب مت کرو،

اور جو کوئی ایسا کرے گا تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اسے سخت ترین سزا دیں گے!

امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ وہ رعایا کے حالات کا خود جائزہ لینے کے لیے نکلا کرتے تھے،

چنانچہ وہ ایک رات اپنے ایک خادم کے ساتھ باہر نکلے جس کا نام اسلم تھا،

پھر وہ آرام کی غرض سے ایک دیوار کے ساتھ بیٹھ گئے،

انہوں نے ایک عورت کو اپنی بیٹی سے کہتے ہوئے سنا:

اے میری بیٹی! اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو!

اس لڑکی نے اپنی ماں سے کہا: اے اماں!

کیا تم نے آج امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے منادی (اعلان کرنے والے) کا اعلان نہیں سنا؟ تو ماں نے اپنی بیٹی سے پوچھا: منادیِ عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کہا تھا؟

تو اس لڑکی نے کہا: انہوں نے تو یہ حکم دیا ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے،

ماں نے اپنی بیٹی سے کہا: اے میری بیٹی! اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو،

کیونکہ تم ایسی جگہ پر ہو جہاں نہ عمر رضی اللہ عنہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور نہ ہی عمر رضی اللہ عنہ کا منادی!

اس پاکباز لڑکی نے اپنی ماں کو جواب دیا: واللہ! اے اماں جان!

میں ایسی نہیں ہوں کہ کھلے عام تو اس کی اطاعت کروں اور تنہائی میں اس کی نافرمانی کروں، اور اگر عمر رضی اللہ عنہ ہمیں نہیں دیکھ رہا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو ہمیں دیکھ رہا ہے!

پس جب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے یہ گفتگو سنی تو انہوں نے اپنے خادم کو پکارا،

اور اس سے کہا: اے اسلم! اس دروازے پر کوئی نشانی لگا دو،

چنانچہ صبح کے وقت انہوں نے اسلم کو حکم دیا کہ وہ جائے

اور اس لڑکی کے حالات کا جائزہ لے،

اور یہ بھی دیکھے کہ آیا اس کا کوئی شوہر ہے یا نہیں،

اسلم اسی جگہ واپس گئے اور گھر والوں کے بارے میں دریافت کیا،

تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ لڑکی عمارہ بنت سفیان بن عبداللہ بن ربیعہ الثقفی ہے،

اور وہ اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ رہتی ہے اور اس کا کوئی شوہر نہیں ہے،

پس جب اسلم نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ اس لڑکی کا کوئی شوہر نہیں ہے،

تو آپ نے اپنے تینوں بیٹوں عبداللہ، عبدالرحمن اور عاصم کی طرف پیغام بھیجا،

اور ان سے فرمایا: تم میں سے کس کو بیوی کی ضرورت ہے؟

اور اگر تمہارے باپ میں عورتوں کی طرف جانے کی سکت ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی اس لڑکی کے معاملے میں مجھ پر سبقت نہ لے جا سکتا،

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے عرض کیا: میرے پاس بیوی موجود ہے،

اور ان کے بھائی عبدالرحمن نے کہا: میرے پاس بھی بیوی موجود ہے،

اور عاصم نے کہا: اے میرے ابا جان! میرے پاس کوئی بیوی نہیں ہے، آپ میرا نکاح اس سے کر دیجیے!

چنانچہ آپ نے اس لڑکی کی طرف پیغام بھیجا اور عاصم سے اس کا نکاح کر دیا۔

اور عاصم بن عمر بن الخطاب شریف نژاد لوگوں میں سے تھے

اور بہترین اخلاق والے انسانوں میں سے ایک تھے،

اور اس لڑکی نے عاصم کے ہاں دو بیٹیاں جنم دیں،

جن میں سے ایک کا نام حفصہ تھا اور دوسری کا نام لیلیٰ تھا،

اور لیلیٰ بنت عاصم کا نکاح عبدالعزیز بن مروان سے ہو گیا،

جو کہ اموی خلیفہ مروان بن حکم کے بیٹے،

اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بھائی تھے،

انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کو جنم دیا جنہیں ان کے شدید تقویٰ اور عدل و انصاف کی وجہ سے جو اپنے دادا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرح تھا، پانچواں خلیفہ راشد کا لقب دیا گیا!

اللہ کے ساتھ سچائی اور اس کے مراقبے کا ایک لمحہ،

اس بات کا سبب بن گیا کہ اس لڑکی کو خلیفہ زادہ شوہر مل گیا!

اور اس کی بیٹی کا نکاح خلافت والے ایک معزز گھرانے میں ہو گیا،

اور اس کے بطن سے خلفائے راشدین کے بعد سب سے عظیم خلیفہ عمر بن عبد

العزیز پیدا ہوئے!

لوگوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں اے صحابیہ!

پس تم اپنے دل کو اللہ کے لیے سنوار لو، تو وہ شخص جو تمہارا حقدار ہے، تمہارے گھر کے دروازے تک چل کر خود آ جائے گا!

اے صحابیہ!

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں،

تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: آپ کے لیے صفیہ (رضی اللہ عنہا) کا یوں ہونا ہی کافی ہے اور کذا و کذا!

یعنی انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ پست قامت (چھوٹی قد والی) ہیں!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عائشہ!

تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو وہ اس کے کڑواہٹ پیدا کر دے!

حالانکہ صفیہ رضی اللہ عنہا واقعی پست قامت تھیں لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات سے کوئی طنز یا عیب جوئی نہیں کی تھی (بلکہ وہ ایک طبعی وصف بیان کر رہی تھیں)!

سوائے اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ایک بہت بڑا جرم قرار دیا ہے،

چنانچہ پہلے ہی غیبت کی تعریف اس فرمان سے ہو چکی ہے کہ: "غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ایسی بات کے ساتھ ذکر کرے جو اسے ناپسند ہو!"

ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بھلا بتایئے تو سہی، اگر وہ عیب میرے بھائی میں موجود ہو (جو میں نے کہا ہے) تو پھر کیا حکم ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ عیب اس میں موجود ہے جو تو نے کہا ہے تو تو نے اس

کی غیبت کی، اور اگر وہ عیب اس میں موجود نہیں ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا!

ذرا غور کرو اے صحابیہ! کہ انسان اپنی بشری قید اور کمزوری سے باہر نہیں نکل سکتا،

خواہ وہ ایمان کے کتنے ہی اونچے درجے پر کیوں نہ فائز ہو جائے،

اور خواہ بیوی کتنی ہی مؤمن اور اپنے شوہر کی خیر خواہ کیوں نہ ہو،

اس معاملے کا ایمان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس بشری نفس کے ساتھ ہے، جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے!

لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ جب وہ دوسروں کی غیبت کرتے ہیں تو وہ کوئی بری بات نہیں کر رہے ہوتے، بلکہ وہ تو محض سچی حقیقتیں بیان کر رہے ہوتے ہیں!

گویا کہ حقیقت (یا سچائی کا ہونا) تمہارے لیے لوگوں کا گوشت کھانا جائز قرار دے دیتی ہے!

تم دیکھتی ہو کہ مجالس کی تواضع لوگوں کا گوشت کھانا بن چکی ہے،

وہ اسے دل بہلانے، تفریح کرنے، اور اپنی فضول گوئی اور کثرتِ گفتگو کی حاجت کو پورا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں!

ان کی زبانوں سے نہ کسی کا دین محفوظ رہتا ہے، نہ دنیا،

اور نہ ہی کسی فلاں عورت کی عزت وزندگی!

اور وہ ایسے بن جاتے ہیں گویا وہ لوگوں پر نگران و پاسبان ہیں، اور جب تم ان کے حالات پر تنقید کرنا چاہو، تو تمہیں سمجھ ہی نہیں آتی کہ تم کہاں سے ابتدا کرو!

رہی بات بہتان تراشی کی تو اس کے بارے میں تو بس پوچھو ہی مت اور جو دل چاہے کہو!

کتنے ہی ایسے رشتے صرف اس لیے ختم کر دیے گئے کیونکہ ان میں سے کسی ایک

نے منگیتر کے بارے میں من گھڑت قصے گھڑ لیے،

حالانکہ وہ عورت اس الزام سے اتنی ہی بری تھی جتنا کہ بھیڑیا حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بری تھا!

اور کتنے ہی ایسے رزق ہیں جو محض اس لیے منقطع کر دیے جاتے ہیں کیونکہ ان میں سے کسی ایک کا مشغلہ لوگوں کی زندگیوں میں افواہیں پھیلانا یا کہانیاں جوڑنا ہوتا ہے!

اور کتنے ہی ایسے صدقات ہیں جو کسی محتاج فقیر سے محض اس لیے روک لیے جاتے ہیں کیونکہ ایک تنگ دل اور تنگ نظر شخص،

صدقہ دینے والے کو یہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص فقیر نہیں ہے بلکہ وہ تو خرید وفروخت کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے،

یہ بات اس نے صرف اس لیے کہی کیونکہ اس نے اسے ایک دن اپنے بچوں کے لیے روٹی کا بند باندھے ہوئے اٹھا کر لے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا،

یا اس نے اسے قصاب یا سبزی فروش کے پاس دیکھ لیا تھا!

یہ بہتان تراش تو یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کو زندہ ہی دفن کر دے!

اے صحابیہ!

بات تمام ہوئی، اور میرا قلم اپنے غلاف (میان) میں لوٹ آیا،

اور یہ کتاب اب تمہارے سامنے ہے، اور یہ ایک شفیق اور محبت کرنے والے کی نصیحت کے سوا کچھ نہیں ہے،

اور قسم بخدا! میں اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کے باوجود،

اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں امتِ رسول اللہ میں خیر و بھلائی دیکھوں،

پس اگر تم یہاں کوئی اچھی بات پاؤ تو اسے عام کرو،

اور اگر کوئی بری بات پاؤ تو اسے چھپالو (پردہ پوشی کرو)،

اور میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم اپنے پاکیزہ دل سے میرے حق میں ایک دعا کے ذریعے مجھے نوازو،

کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرما دے، مجھ سے درگزر فرمائے، اور دنیا میں میری اس حیات کا خاتمہ اپنے راستے میں شہادت کے ساتھ فرمائے!

اور تمہارے دل پر سلام ہو!